بات پھولوں کی

جیلانی بانو

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

بات پھولوں کی

(افسانے)

جیلانی بانو

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

BAAT PHOOLON KI

(Short Stories)

by

JEELANI BANO

Year of Edition 2001
ISBN 81-87667-16-8
Price. Rs.175/-

کتاب کا نام　　بات پھولوں کی
مصنفہ　　جیلانی بانو
سنہ اشاعت اوّل　　۲۰۰۱ء
قیمت　　۱۷۵ روپے
کمپیوٹر کتابت　　کمپیوٹر کارپوریشن۔ 8-2-268/1/16/B
روڈ نمبر (3) بنجارہ ہلز۔ حیدر آباد
مطبع　　کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی۔

Published by
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Gali Vakil , Kucha Pandit , Lal Kuan Delhi-6(India)
Ph.: 3216162, 3214465 Fax:91-011-3211540
E-Mail: eph@onebox.com

رجاء کے نام

دھنک میں کتنے رنگ گھلے ہیں

سات سروں کا بھید ہے کیا

الف لیلہ میں کتنے در وا ہوتے ہیں

غالب دل کو کیوں چھوتا ہے

ان بھیدوں کو جان لو رجاء !

ورنہ

آنے والے وقت کے عذاب سے

اپنے ضمیر کو کیسے بچاؤ گی ؟

فہرست

☆☆☆

سوکھی ریت

ڈیفنس کالونی کا وہ ایک سر بلند مکان تھا۔
خوبصورت، ایمپورٹیڈ ساز و سامان سے سجا ہوا۔ اپنے مکینوں کی دولت اور اعلیٰ ذوق کا خوبصورت اظہار۔
میز بانوں کے کھلے دل اور بلند قہقہوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا سکہ وقت پر چلتا ہے۔ خوشیاں ان کے پیچھے دوڑتی ہیں۔
"آپ ٹھنڈا لیں گی یا کافی؟
"بادام لیجیے۔"
"چلغوزے کھائیے۔"
"مالٹے پسند ہیں یا سیب؟"
"آپ کے لیے میں نے سالم بکرے روسٹ کردیے ہیں۔ کابل سے ایک کوک آگیا ہے۔ ویسے پشاوری چپلی کباب اور لاہور کا چرغہ، کراچی کا کٹاکٹ... آپ اپنی پسند بتائیے نا... جائز کھانے پسند ہیں یا کانٹینٹل ڈیشیں...؟" پیرس کے پرفیوم سے مہکتی، امریکن میک اپ سے چمکتی،

پاکستانی خلوص سے دمکتی ہوئی ہماری میزبان ہما رفیق نے پوچھا۔
"بس اب اور کچھ نہیں۔ میرا خیال ہے اتنے کھانوں سے ایک بھوکے ہندوستانی کا پیٹ بھرجائے گا۔" سب ہنسنے لگے۔
"یہاں سے کلفٹن بہت قریب ہے۔ کھانے کے بعد آپ کو آئس کریم کھلانے وہاں لے جائیں گے۔" ایک مہمان خاتون نے بڑے خلوص سے میرے پاس آکر کہا۔ (اس محفل میں ہر مہمان ہمارا میزبان بنا ہوا تھا۔)
"اب آئس کریم کا پروگرام کسی اور دن پر رکھیں۔" میں نے گھبرا کے کہا۔
"لیکن کھانے کے بعد پان کھانے کے لیے تو آپ کو وہاں جانا ہی پڑے گا۔" ایک مشہور نقاد نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔
یہ پاکستان کے بڑے اہم ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی محفل تھی۔ ہر بات میں بے حد نفاست، سلیقہ، خلوص بھرا انداز، پر لطف گفتگو۔
تمام مہمانوں نے ہماری دعوتوں کے دن بانٹ لیے۔ ہماری تفریح کا پروگرام بنالیا گیا۔
اتنا خلوص ..... کسٹم والے تولنے بیٹھیں، تو ہرگز ساتھ نہ لے جانے دیں۔
شال میں لپٹے، اونی ٹوپی اوڑھے، ایک دھان پان سے بزرگ میرے قریب آبیٹھے۔
"آپ کلفٹن ضرور جائیے۔" انھوں نے اپنے تعارف کے بغیر مجھ سے کہا۔
"وہاں سے دور تک سمندر نظر آتا ہے۔ ایک جگہ تو ایسی ہے کہ ناک کی سیدھ میں انڈیا کا ساحل ہے۔ ریت پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوجائیں تو ادہر کی موجیں پاؤں چھونے آجاتی ہیں۔"

اب میں ان کی طرف مڑ گئی۔

" آپ انڈیا سے یہاں کب آئے تھے ؟"

اس عمر کے بوڑھے لوگ اپنے خوبصورت دن ادہر چھوڑ آئے تھے اور اب بہتی موجوں میں انہیں ڈھونڈنے ساحل کے کنارے آجاتے ہیں۔

" ارے بی بی ۔۔ جگ بیت گئے ۔ اب تو کچھ یاد نہیں رہا۔ وقت نے سارے فاصلے دھندلادیے ہیں۔"

وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہے تھے ۔ بار بار کھانس رہے تھے ۔ نیچے کی طرف جھک جاتے ۔

" ہارٹ پیشنٹ ہیں ہمارے فادر ان لا ۔" ہماری میزبان ہما نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

" جب سنا کہ حیدرآباد سے ایک رائیٹر آئی ہیں تو بستر سے اٹھ کر آگئے ہیں۔ آپ سے باتیں کرنے کے لیے ۔"

" آپ حیدرآباد میں رہتے ہیں ؟"

" جی ہاں۔"

" آپ کا مکان جانے کہاں ہوگا ۔۔ نامپلی اسٹیشن کے آگے ۔ باغ عام کے سیدھے ہاتھ پر نہاری کلچے کی دوکان کے پاس، حکیم چندر بھان کا مطب تھا۔ اللہ نے اس حکیم کے ہاتھ میں بڑی شفا دی تھی۔"

بات کرتے میں وہ ہانپ جاتے تھے ۔ کچھ باتیں اشاروں سے پوری کردیتے ۔

" ہاں ہاں ! ابھی وہ دوکان ہے۔ میں اکثر حکیم صاحب کو دیکھتی ہوں۔"

" اچھا ۔۔ ؟ آپ نے انھیں دیکھا ہے ۔ وہ زندہ ہیں ؟"

وہ میرے اور قریب سرک آئے ۔ " اگر آپ کو چندر بھان ملیں تو ان کو میرا حال بتانا ۔ دل کے دورے پڑتے ہیں میرے کو ۔ ڈاکٹروں کی دواؤں

سے ٹھیک نہیں ہوتے ۔ حکیم صاحب کو بولو میرے کو خمیرہ گاؤزبان جواہر والا بھیج دو ۔ "

آپ جائیے نا حیدرآباد ۔ اپنا علاج بھی کروالینا ۔ "

" نہیں نہیں ۔ یاں ایسی باتاں نکو کرو بی بی ۔ " انھوں نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا ۔

" آپ لوگ کبھی انڈیا نہیں آتے ... ؟ " کھانے کے دوران میں نے رفیق صاحب سے پوچھا ۔

" حیدرآباد دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے ۔ اباجان کا وطن تھا مگر میں فوج میں ہوں اس لیے انڈیا کا ویزا ہمیں نہیں ملتا ۔ "

" ہم ابا جان سے کہتے ہیں آپ بھول جائیے حیدرآباد کو ۔ "

" پاگل ہے میرا بیٹا ۔۔ " انھوں نے اپنی چھڑی پر زور دے کر غصہ میں کہا ۔ " میاں صاحبزادے !میرے پاس اب اپنے آپ کو بھلادینے کے سوا ، یاد کرنے کے لیے ، کچھ نہیں رہا ۔ "

سب چپ ہوگئے ۔ رفیق صاحب نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ ان کے ابا کچھ ابنارمال سے ہیں ۔

" بڑی لمبی چوڑی انکوائری ہوتی ہے ہماری ۔ " ہما رفیق نے اپنے خوبصورت لہریے دار بال جھٹک کر کہا ۔ " ایک بار پیرس سے آتے ہوئے شاپنگ کے لیے میں ایک دن دہلی میں ٹھہر گئی تو رفیق کو بڑی پریشانی ہوئی ۔ "

" یہاں آپ کے دوست رشتے دار ہونگے ۔ " میں پھر ان کے پاس جا بیٹھی ۔

وہ ہنسنے لگے ... " دوست بنانے ، عشق کرنے ، دل جلانے کی عمر میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں ۔ اب رفیق کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں ٹرانسفر ہوتا ہے تو ہم ایک نئے کمرے میں جاکر لیٹ جاتے ہیں ۔ ایر کنڈیشنر کی وجہ سے

بدلتے موسم کا بھی پتہ نہیں چلتا ہمیں ۔ "

" ابا جان دس بج گئے ہیں ۔ اب آپ سو جائیے ۔ " ان کی بہو نے مشورہ دیا ۔

ایک نوکر انھیں اٹھانے آیا تو انھوں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر مجھ سے پوچھا ۔

" آپ پھر کب آئیں گے یہاں ؟ میرے کو آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں ۔ "

" دو تین دن بعد اسی کالونی میں اپنی ایک دوست سے ملنے آؤنگی تو یہاں بھی آجاؤنگی ۔ "

" آپ اکیلی کہیں مت جائیے ۔ ہم خود آکر آپ کو لے جائیں گے ۔ " کراچی کے ایک مشہور نقاد نے بڑے خلوص کے ساتھ کہا ۔

" سنا ہے آج کسی نے لالو کھیت کی مارکیٹ میں آگ لگادی ۔ ابھی تک بازار جل رہا ہے ۔ "

" لوگ چٹکی بجاتے میں آگ لگادیتے ہیں ۔ " وہ پھر غصے میں بپھر گئے ۔ " یہ آگ کب لگتی ہے ۔ کیسے بجھتی ہے ۔ کوئی نہیں جانتا ۔ "

سب چپ ہوگئے ۔

" آپ کے ابا جان یقینا بہت اچھے شعر کہتے ہونگے ۔ اب آؤنگی تو آپ سے شعر بھی سنوں گی ۔ "

" نہیں نہیں میں شعر ویر نہیں کہتا ۔ بکواس کرتا ہوں ۔ " وہ برا مان گئے ۔

ایک ہفتے کے بعد بیگم ہما رفیق کا فون آیا ۔ " بہت مصروف ہوں گی آپ ۔ ہمارے فادر ان لا کی طبیعت خراب ہے ۔ مگر بار بار اصرار کررہے ہیں کہ آپ ان سے ملنے کب آئیں گی ۔ فون کرکے پوچھو ۔ "

" آج ... ابھی آرہی ہوں ۔ " میں نے بڑی شرمندگی کے ساتھ کہا ۔

پورٹیکو میں ہما کھڑی تھیں۔

"معاف کیجیے۔ بے وقت آپ کو زحمت دی ہے۔ ڈاکٹر نے انھیں مکمل آرام کرنے کو کہا ہے مگر آپ کو بلانے کی ضد کر رہے تھے۔"

کمرے میں وہ کمبل اوڑھے لیٹے تھے۔ تخت پر جانماز، تسبیح، رحل پر قرآن شریف رکھا تھا۔ شلف میں اردو، فارسی شاعروں کے دیوان تھے۔ سرہانے قلی قطب شاہ کا دیوان رکھا تھا۔ دیوار پر چارمینار کے فوٹو والا ایک پرانا کیلنڈر لگا تھا۔ اور سرہانے کی ٹیبل پر بے شمار دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔

میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے صرف حکیم چندر بھان اور نامپلی بازار کی باتیں کرنا چاہتے ہیں مجھے دیکھتے ہی وہ خوشی کے مارے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میں حکیم صاحب سے آپ کا حال بتا کر خمیرہ گاؤ زبان ضرور بھیج دونگی۔" انکے سامنے کرسی پر بیٹھ کر میں نے کہا۔

"نکو بی بی۔ ایک بار دوا آگئی تو کیا ہوگا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔

"قلی قطب شاہ بہت اچھا شاعر تھا۔۔" میں نے اب بات کرنے کے لیے دوسرا موضوع ڈھونڈا۔ وہ حسب توقع خوش ہوگئے۔

"اچھا ! آپ کو معلوم پرانا پل کیوں بنا تھا؟"

"جی نہیں۔"

"قلی قطب شاہ جب شہزادہ تھا تو سب سے چھپ کر بھاگ متی سے ملنے راتوں کو جایا کرتا تھا۔ ایک بار بارش ہورہی تھی۔ ندی پر چڑھاؤ لگا۔ گھوڑے پر سے ندی میں گر گیا۔ دوسرے دن بادشاہ نے حکم دیا کہ ندی پر جلدی سے ایک پل بنادو۔"

"واہ دلچسپ کہانی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ پرانے لوگوں کی باتاں ہیں بی بی۔۔۔" انھوں نے کتاب بند کرکے

کہا۔

"جب بیچ میں ندی آجائے تو پل بنا کر جوڑ دیتے تھے۔ اب ایسے پلوں کو توڑ دیتے ہیں۔"

"میں یہاں آنے سے پہلے حکیم چندر بھان کی دوکان پر گئی تھی۔" میں نے پھر ان کی دلچسپی کا کوئی موضوع ڈھونڈا۔

"ابھی دوکان پر آتا ہے وہ؟ بہت بوڑھا ہوگیا ہوگا۔" پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "بہت سے لوگاں تھے وہ.. بہت سے باتاں تھے۔ یاد کرو تو الجھے دھاگوں کی طرح پیروں سے لپٹ جاتی ہیں.... نواب نفاست جنگ کی دیوڑھی تھی۔ تانگے والے سے بولو دیوڑھی جانا ہے تو وہ یہ نہیں پوچھتا تھا دیوڑھی کہاں ہے؟"

"آپ کے دادا کی دیوڑھی تھی..؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہمارے دادا؟ نہیں بی بی۔ ہمارے دادا حضت تو معمولی پیرد کار تھے۔ نفاست جنگ کی جو نواسی تھی چاند پاشا... وہ ہماری پھوپو کی نند کی بیٹی تھی۔"

اب میں بڑی دلچسپی کے ساتھ اس بوڑھے کے چہرے پہ مچلتی ہوئی پرچھائیاں دیکھنے لگی۔

"بہوت خوبصورت تھی وہ بچی.. مگر بہوت شریر تھی۔ ہمارے گھر آتی تو کچے پکے سوب انار توڑ کے پھینک دیتی تھی۔ میرے کو بولتی ناریل کے جھاڑ پر چڑھ کر ناریل توڑ کے لاؤ.."

وہ ہنسنا چاہتے تھے مگر کھانسی روک دیتی... میں گم سم بیٹھی رہی۔

"نواب زادیوں کے نخرے... جس چیز کو دل چاہے وہ ضرور مل جانا۔ میں نے جب بی۔اے پاس کیا تو پولیس ایکشن کی مارا ماری شروع ہوگئی۔ ہمارا پورا خاندان پاکستان چلا گیا۔ باوا جان بولے چلو بیٹا۔ بوریا بستر سمیٹو یہاں

ے ۔ مگر چاند پاشا میرے سے بولے ۔ تم یہاں سے نہیں جانا ... اب کیا سناؤں آپ کو وہ قصہ ؟ ہمارے باوا نفاست جنگ کے پاس پیغام لے کر گئے ۔ بولے گھر داماد بنالو آپ میرے بیٹے کو ... "

میں دم سادھے بیٹھی تھی ۔

" مگر کاں محبوب علی ، کاں پیاز کی ڈلی ... " وہ نہیں رو رہے تھے .. مگر ایسا لگا جیسے رو رہے ہیں ۔ میں گھبرا گئی ۔ مگر یہ نہیں پوچھا .. پھر کیا ہوا .. ؟

" پورا گھر خالی ہوگیا ہمارا ۔ سب پاکستان چلے گئے .. میں گھر میں آیا .. کوئی آواز .. کوئی یاد .. سارے گھر میں کچھ نہیں تھا ۔ اپنے قدموں کی آواز بھوت بن کر ڈرا رہی تھی ۔ بس ۔ میں تیزی سے اسٹیشن کی طرف بھاگا ۔ ریل چھوٹ رہی تھی ۔ چلتی ریل میں چڑھتے وقت میرا پاؤں پھسل گیا ۔ میں نیچے گر رہا تھا ۔ کسی نے اوپر کھینچ لیا .. بس .. اس دن سے ایسا وہم ہوگیا ہے میرے کو جیسے میں نیچے پھسل رہا ہوں ۔ پھر کوئی اوپر کھینچ لیتا ہے .. آدمی کسی ایک طرف ہوتو چین پڑے نا .. ؟ "

سسکی کی آواز سن کر میں نے سر اٹھایا ۔ ان کا دبلا پتلا بنگالی نوکر اپنے آنسو پونچھ رہا تھا ۔ پاکستان میں صفائی کرنے والی ماسی اور کھانا بنانے والے لڑکے زیادہ تر بنگالی ہوتے ہیں ۔

" صاحب جی کہیں تو ہم دوسرے نام سے ان کا پاسپورٹ بنوا کر ویزا لگوادیں ؟ ہمارا سالا یہی بزنس کرتا ہے ۔ دو ہزار روپیہ لگیں گے ۔ " بنگالی بابو نے جھک کر کان میں کہا ۔

" واہ ... یہ تو بہترین آئیڈیا ہے ۔ " میں نے خوش ہو کر تالی بجائی ۔

" اس ویزا پر آپ حیدرآباد آیئے ۔ خوب تفریح کیجیے ۔ پرانے پل سے نفاست جنگ کی ڈیوڑھی جایئے ۔ اب تو حیدرآباد کی ہر چیز بدل گئی ہے ۔ ہر اسٹیٹ کے لوگ آگئے ہیں ۔ آپ کو اب وہاں کوئی نہیں پہچانے گا ۔ "

" میرے کو اب وہاں کوئی نہیں پہچانے گا ...؟ " انھوں نے گردن جھکالی ۔
ہمارے درمیان سے جانے کتنے لمحے دھک دھک کرتے گزر گئے ۔
اب میرے پاس ان سے کہنے کے لیے شاید کچھ نہیں رہا تھا ۔
بڑی دیر کے بعد شاید انھیں میری موجودگی کا احساس ہوا ۔
" آپ کلفٹن کے بیچ پر گئے تھے .. ؟ "
" جی .. " میں صفا جھوٹ بول گئی ۔
" اچھا .. ؟ تو اونچی اونچی موجوں نے آپ کو شرابور کردیا ہوگا .. ؟ " وہ اچانک خوش ہوگئے ۔
" جی .. جی نہیں .. وہ ، بات یہ ہوئی کہ ... کہ .. "
" میں بھی کئی بار گیا ... موجیں آگے نہیں بڑھیں .. سوکھی ریت پر کھڑا رہا ہیں .. "
دل کا درد کم کرنے والی گولی انھوں نے زبان کے نیچے دبالی ..

...

بات پھولوں کی

" دیا سلائی جب چراغ روشن کردیتی ہے تو اسے پھینک دیتے ہیں ۔ "

" پھول محل " کی گدی پر بیٹھے سوگندھی لال مجھے اپنے تجربے کی باتیں سکھاتے رہتے ہیں ۔

" اپنی باتوں میں پھولوں کے باروں میں اتنے چٹکلے لطیفے ٹانکتے جاؤ کہ سالا گاہک اس میں الجھتا ہی چلا جائے ۔ اور پھر بار کے منہ مانگے دام وصول کر لو ۔ " وہ بڑی زور سے ہنستے اس امید کے ساتھ کہ میں بھی ان کا ساتھ دونگا ۔ مگر ان کی باتوں میں الجھ کر سوئی میری انگلی میں چبھ جاتی تھی ۔

سوگندھی لال اپنی گدی پر بیٹھے دن بھر نوٹ گن گن کر رسیدیں کاٹتے رہتے ہیں ۔ ہر گاہک سے ایسے بات کرتے ہیں جیسے جنم جنم کا ناطہ ہو ۔ دن بھر گاہکوں کا ہجوم ، نئی نئی فرمائشیں اور سوگندھی لال کی ڈانٹیں " راجو ... راجی .. ابے راجو ... "

" پھول محل " کے سائن بورڈ کو ہم نے رنگ برنگے قمقموں سے ایسا سجایا ہے کہ دور سے گاہک دیکھ کر کھنچا چلا آئے ۔ طرح طرح کے بوکے ، جھلملاتے ہار ...

پھولوں کے ساتھ لپٹے ہوئے کانٹوں سے میرے ہاتھ لہو لہان ہوجاتے ہیں۔ مگر مجھے یہ کام اچھا لگتا ہے۔ بھاگ دوڑ کچھ نہیں، آرام سے بیٹھے پھولوں کے ہار گوندھے جاؤ اور سوگندھی لال کے ساتھ ساتھ ہنسنا سیکھ لو۔ ورنہ وہ خفا ہوجاتے ہیں۔

جب میں نے پھولوں کے ہاروں میں پنی کے چاند ستارے اور پودینے کے پتے گوندھنا شروع کیے تو سارے شہر کے لوگ ہماری دوکان پر آنے لگے۔ پھر سیٹھ جی نے میری تنخواہ دوسو روپے سے بڑھا کر تین سو روپے کردی کہ کوئی دوسرا پھول بیچنے والا مجھے بہکا کر نہ لے جائے۔

آج تو ہماری دوکان پر پھول خریدنے والوں کا ہجوم بڑھتا ہی جارہا تھا جیسے شہر کے ہر آدمی کو آج پھولوں کی ضرورت پڑگئی تھی۔

"سوگندھی مہاراج ! نمسکار ! ایک شاندار پھولوں کا ہار چاہیے ہمیں۔ دس دس روپے کے نوٹ بھی پرونا اس میں اور گلاب کے پھول بھی"

"ابھی لوجی شرما صاحب ... ارے راجو بیٹا۔ جھٹ پٹ صاحب کا آرڈر لو اور ان کا کام تمام کرو"

"ایسا لگتا ہے مکھن لال جی الیکشن جیت گئے ہیں۔ جب ہی آپ روپیوں کے ہار بنوارہے ہیں آج ؟" سوگندھی لال منھ کھول کر ہنسنے لگے۔

"ہم جو ان کے ساتھ تھے سوگندھی لالہ۔ کیسے نہ جیت جاتے مکھن لال جی۔ دو ہزار آدمی کو مادھو پور سے لاریوں میں بھر کے لے گئے تھے۔ سب سے ووٹ ڈلوادیے۔"

سوگندھی لال کے ساتھ شرما جی بھی زور سے ہنس پڑے۔

"مگر ایک لڑکا کہہ رہا تھا پولیس نے فائرنگ کردی مادھوپور میں بہت لوگ مارے گئے ہیں"۔ میں نے ایک بڑا سا گلاب ہار کے بیچ میں ٹانکتے ہوئے پوچھا۔

" الیکشن میں تو یہ سب چلتا ہی رہتا ہے جی ۔ دوسری پارٹی والے پولیس کو لے آئے ۔ فائرنگ ہوگئی مگر جیت تو ہماری ہوئی نا " ۔ شرما جی جیت کے نشے میں تھرک رہے تھے ۔ ایک نوجوان لڑکا آٹورکشا سے اترا اور دوڑتا ہوا دوکان کی طرف آیا ۔

" ذرا سنیے سیٹھ صاحب ! .... آپ کے ہاں اتنے پھول مل جائیں گے .... چالیس ارتھیوں پر ڈالنا ہیں ۔ "

چالیس ارتھیاں ! سوئی اب کی بار میرے دل کی طرف چبھ گئی ۔ شرما جی اس نوجوان کو دیکھ کر گھبرا گئے ۔ پیچھے کو ہٹے ۔ پھر ہمت کر کے بولے ۔

" ہیلو جان ... ہاؤ آر یو ... ؟ " انھوں نے ہاتھ آگے بڑھایا ۔

" فائین " ... نوجوان نے شرما جی کا ہاتھ جھٹک دیا ۔

" اتنی ارتھیاں ؟ ایک ساتھ ؟ ... کہاں سے آرہے ہو نوجوان ۔ ؟ " سوگندھی لال نے گھبرا کر پوچھا ۔

" مادھوپور سے ۔ الیکشن میں سالوں کا بس نہ چلا تو سارے گاؤں سے بہلا پھسلا کر نوجوانوں کو لے گئے بوگس ووٹنگ کے لیے ۔ پولیس نے گولی چلادی ۔ "

" اب تم مادھو پور سے آئے ہو پھول لینے ؟ ۔ " ایک گاہک نے بڑے دکھ کے ساتھ پوچھا " ۔

" کیا کریں ! ہمارے سارے گاؤں کے سارے پھول تو لوگ لے گئے ہیں مکھن لال جی کو پہنانے کے لیے ۔ "

" تو کیا ان ارتھیوں کا جلوس شہر میں نکالا جائے گا ؟ " شرما جی نے جان سے پوچھا ۔ "

" جی ہاں ۔ ہم سارے شہر میں جلوس لے جائیں گے ۔ مکھن لال کے خلاف نعرے لگوائیں گے ۔ مادھوپور میں دوبارہ الیکشن ہوگا ۔ "

" اچھا تو سوگندھی لال ! ایک پھولوں کا شاندار گھیرا اور بنادو ۔ مکھن لال جی بھی ان شہیدوں کو شردھانجلی دینے ضرور جائیں گے ۔ " شرماجی نے پرس سے اور نوٹ نکال کر گنتے ہوئے کہا۔

" ابھی لوجی ۔ ابھی لو۔ ارے راجی بیٹے ۔ شرماجی کا آرڈر لے فٹافٹ اور ان کا کام تمام کر۔ "

آج میں نے آدھے دن کی چھٹی لے کر اپنے ایک دوست ساتھ پکچر دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ مگر آج ہماری دوکان پر آنے والے گاہکوں کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

" ذرا آپ ادھر ہٹیے ... آپ ادھر جائیے ۔ ۔ " ایک نوجوان اسکوٹر روک کر سب کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ کسی تیز مہک والے پرفیوم میں ڈوبا ہوا۔

" بالوں میں سجانے کے لیے ایک بہت خوبصورت سا گجرا چاہیے ۔ مگر پھول تازہ ہوں ۔ خوشبو والے ۔ "

" ابھی ابھی لیجیے بابو صاحب ۔ " سوگندھی لال نے بڑے غور سے بابو صاحب کو دیکھا۔

" راجو بیٹا ! ایسی پھولوں کی بینی بنا کر لاؤ بابو صاحب کے لیے کہ ان کا کام تمام ہوجائے ۔ "

" بابو صاحب ! بھروسا رکھیے ۔ ہماری دوکان پر ہر چیز اچھی ملے گی ۔ آپ کو ایسا گجرا بنا کر دونگا کہ آپ کی مسز خوش ہوجائیں گی "

" اچھا تو پھر دو گجرے بنادو ۔ " ان صاحب نے کچھ شرمندگی کے ساتھ کہا۔

" سوگندھی لال ! ذرا جلدی کرو۔ چار بجے تک جلوس نکالنا ہے ۔ "

جان نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا " مگر تمہاری دوکان میں تو اتنے پھول نظر نہیں آرہے ہیں کہ چالیس ارتھیاں سجائی جائیں ۔ "

" صبر کرو نوجوان ! " سوگندھی لال نے دھیرج سے کہا ۔
" ابھی پجاری جی دو چار ٹوکرے پھول ہمیں بھیج دیں گے ۔ "
" پجاری جی ؟ کیا مندر میں پھول بکتے ہیں ؟ " جان نے تعجب سے پوچھا

" صبح سویرے جو لوگ پوجا کے لیے پھول لاتے ہیں نا ۔ پجاری جی شام کو وہ پھر یہیں بھیج دیتے ہیں ۔ "

" لا حول ولا قوۃ " ایک مولوی صاحب نے غصے میں کہا ۔

" مندر کے پوجا کے پھول دوکان پر رکھتے ہو ؟ "

" ارے رکھتے کہاں ہیں مولانا ۔ آج بریانی شاہ کا عرس تھا ۔ سارے پھول وہیں لے گئے لوگ ۔ "

" اس دوکان کو بند کروادینا چاہیے ۔ ورنہ ہندو مسلم فساد شروع ہوجائے گا ۔ " مولانا دوکان پر کھڑے حاضرین کی طرف مڑگئے ۔

" یہ مولوی صاحب سٹھیا گئے ہیں ۔ جب آتے ہیں اللہ اور بھگوان کا بکھیڑا لے بیٹھتے ہیں ۔ " سوگندھی لال نے مسکرا کے کہا ۔

" تم بے ایمان ہو ۔ لوگوں کا دھرم ایمان خراب کرتے ہو ۔ " مولوی صاحب چلانے لگے ۔

" چیخو مت مولوی صاحب ۔ الیکشن کا جلسہ نہیں ہورہا ہے یہاں ۔ ہم چیز دے کر دام لیتے ہیں ۔ لوگوں کو آگ کا دھواں اور خاک کی پڑیا دے کر الو نہیں بناتے ۔ " سوگندھی لال غصے میں آجائیں تو پھر سلگتے ہی جاتے ہیں ۔

" ہٹیے راستہ چھوڑیے میڈم جی کے لیے ۔ آیئے میڈم جی ! آداب عرض ! کہیے کیا حکم ہے ؟ ایک دبلی پتلی بے حد پھرتیلی سی خاتون ایک چھوٹی سی بچی کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھیں ۔

" ایک بہت اچھا سا بوکے بنادیجیے ۔ مگر ذرا جلدی سے دیجیے ۔ چار بجے

تک مجھے پہنچنا ہے ۔" میڈم جی نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا ۔

" ابھی لیجیے ۔ راجو بیٹا ! میڈم جی کا آرڈر بک کرو اور جھٹا پٹ ان کا کام تمام کرو ۔ کیا ایر پورٹ جانا ہے میڈم جی ۔ ؟ کسی منسٹر کا سواگت کرنے جارہی ہیں ؟ "

سوگندی لال عورتوں کو باتوں میں یوں الجھائے رکھتے جیسے کچی کلیوں کو دھاگے میں لپیٹ دیتے ہیں ۔

" نہیں سوگندھی لال ! میری لڑکی اسکول کی دوڑ میں حصہ لینے گئی ہے ۔ وہ ضرور فرسٹ آئے گی ۔ "

" کیا زمانہ آگیا ہے ۔ " مولوی صاحب نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا ۔

" لڑکیوں کو دوڑنا سکھارہے ہیں ۔ آخر انھیں کسی مرد کے پیچھے ہی رہنا ہے ۔ "

" مولوی صاحب ! آپ کا کام تمام ہوا اس لیے آپ تو پیچھے ہٹ جائیے ۔ "

" مگر ایک مولوی صاحب کے جاتے ہی ایک اور مولانا تشریف لے آئے ۔ " سوگندھی لال ! ہمیں ایک بہت خوبصورت شاندار سہرا چاہیے ۔ اتنا لمبا ہو کہ دولھا اس میں چھپ جائے ۔ "

" مگر دولہا کو چھپانے کے لیے تو بہت بڑا سہرا بنانا ہوگا ۔ ہم تو بس اتنا لمبا سہرا بناتے ہیں کہ باراتی دولھا کو نہ پہچان لیں ۔ " میں نے جلدی گھبرا کر کہا ۔

" راجہ بیٹے ۔ جو بات گاہک کہے مان لو ۔ آپ اطمینان رکھیے مولانا ۔ جیسا آپ نے حکم دیا ہے ویسا ہی سہرا تیار ہوگا ۔ یہ چوتھا سہرا ہے جو میں آپ کے بیٹے کے لیے تیار کرونگا ۔ کبھی کوئی شکایت ہوئی آپ کو ؟ لایے ۔ ایک ہزار روپے ایڈوانس دیجیے ۔ سیدھے ہاتھ سے ۔ شبھ کام ہے " سوگندھی لال دونوں

ہاتھ مولانا کے سامنے پھیلا کر کھڑا ہو گئے ۔

" ایک بوکے بنانے میں کتنی دیر لگاؤ گے لالا ؟ " بے بی کی ماں بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی ۔

" میڈم جی ! میں آپ کو بہت ہی بڑھیا بوکے دونگا ۔ دوڑ میں فرسٹ آنے والی بے بی کے لیے ۔ بس ابھی چیف منسٹر کے آفس سے بہت سے بوکے آتے ہونگے ۔ "

" اچھا تو تم سارے لیڈروں کو پہنائے گئے ہار واپس منگوالیتے ہو لالہ جی ؟ "

" ارے نہیں میڈم جی ۔ لیڈروں کے گلے میں پڑنے کے بعد تو پھول سوکھ جاتے ہیں ۔ "

" تو پھر پھول کسی حکیم کو گل قند بنانے کے لیے بیچ دیتے ہو ؟ " جان نے بڑے تعجب کے ساتھ پوچھا ۔

" نہیں بٹیے ۔ " سوگندھی لال نے سر جھکا کر بڑے دکھ کے ساتھ کہا ۔

" ہماری دوکان کے پیچھے قبرستان ہے ۔ میں شام کو سارے پھول اٹھا کر وہاں لے جاتا ہوں ۔ "

" سوکھے پھول قبرستان میں لے جاتے ہو ؟ " میڈم نے تعجب سے پوچھا ۔

" ہاں میڈم کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کچھ عورتوں کے اوپر مٹی نہیں ڈالی گئی ہے ۔ وہ کھلی پڑی ہیں ۔ میں انھیں سوکھے پھولوں سے ڈھانپ دیتا ہوں ۔ "

سب چپ ہو گئے جیسے سوگندھی لال کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی کسی کھلی قبر کے آس پاس کھڑے ہوں ۔

" مولوی صاحب ! ایک بات پوچھوں آپ سے ۔ ؟ " سوگندھی لال نے

آہستہ سے کہا ۔ " سنا ہے قیامت کے دن مردے جی اٹھیں گے ۔ مگر ان عورتوں کی گنتی تو وہاں بھی نہیں ہوگی ۔ "

مولوی صاحب نے اپنے بڑے بیٹے کا چوتھا سہرا بڑے چاؤ سے سنبھالا اور کار کی طرف بڑھ گئے ۔

پھر ایک چمچماتی ہوئی کار آکر رکی ۔ بہت شاندار سوٹ پہنے ایک بھاری بھرکم صاحب سر بلند کیے کار سے اترے ۔

" آیئے پروفیسر صاحب ! ذرا رستہ دینا بھائی ۔ " سوگندھی لال گھبرا کر کھڑے ہوگئے ۔

" جی حکم دیجیے پروفیسر صاحب "

" مجھے ایک خوبصورت سا بہت اچھا سفید گلاب چاہیے ۔ وہ جو یہاں کوٹ کے کالر پر لگاتے ہیں نا ۔ "

" جی ، جی ، میں سمجھ گیا ۔ راجہ بٹوا ۔ پروفیسر صاحب کا آرڈر لو اور ان کا کام سب سے پہلے تمام کردینا بیٹے ۔ "

" تو کیا آج چندر موہن صاحب آرہے ہیں پروفیسر صاحب ؟ "

" ہاں ۔ آج صرف چند گھنٹوں کے لیے آرہے ہی ۔ انہیں اب امریکہ کی ایک سائنس کانفرنس میں ۔۔۔۔ "

پروفیسر کی بات سنے بغیر سوگندھی لال دوکان کے گاہکوں کی طرف دیکھ کر بڑے فخر کے ساتھ بولے ۔ " پروفیسر صاحب کے سپوت ، بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں بھارت کے پوکھران دھماکے میں جس ٹیم نے حصہ لیا اس میں چندر موہن صاحب بھی شامل تھے ۔ "

یہ بات سنتے ہی مجمع زور دار تالیاں بجانے لگا ۔ لوگ پروفیسر صاحب سے ہاتھ ملانے اور مبارکباد دینے آگے بڑھنے لگے ۔

" ممی ! لوگ تالیاں کیوں بجارہے ہیں ۔۔۔ ؟ " میڈم جی کی بے بی نے

تعجب سے پوچھا۔
" بے بی ! آپ نے ہسٹری کی کتاب میں پڑھا ہے نا کہ دوسری جنگ ختم کرنے کے لیے ہیروشیما پر ایٹم بم پھینکا گیا تھا۔۔۔؟ " جان نے بے بی کے پاس جاکر اسے سمجھایا۔
" وہاں ہیروشیما کے سارے لوگ مرگئے تھے ایک ساتھ۔ اب ویسا ہی بم پروفیسر صاحب کے بیٹے نے بھارت میں بنالیا ہے۔ "
بے بی ڈر گئی۔ منہ کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ " تو کیا بھارت میں بھی اتنے بہت سے لوگ مرجائیں گے۔۔۔؟ "
" نہیں بے بی۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔ " پروفیسر صاحب پیار سے بے بی کی طرف بڑھے تو وہ شرما کے ماں کے آنچل میں چھپ کر بولی۔ " ممی پھر اتنی بہت سی ارتھیاں سجانے کے لیے اتنے پھول کہاں سے آئیں گے۔۔؟ "
" اس وقت تو صرف ایک ہی پھول کی ضرورت ہوگی۔ " جان نے پھر بے بی کو اپنی طرف کھینچا۔
" ایک ہی پھول۔۔۔؟ وہ کس لیے۔۔۔۔؟ "
" پروفیسر صاحب کے سینے پر سجانے کے لیے۔ "

•••

ایک پوری

(ایک شوٹنگ اسکرپٹ)

Fade in --- Long Shot

[گھنا جنگل -- لمبی پگڈنڈی ----- آس پاس کھیت ----- پہاڑیوں کا سلسلہ --- صبح کا سورج --- درختوں پر منڈلاتے ہوئے پرندے - --- دور اوبڑ کھابڑ راستوں سے آتی ہوئی ایک جیپ ----]

Cut - Midshot

[تین پولیس کی وردی پہنے آدمی جیپ میں بیٹھے ہیں - جیپ ایک سڑک کے کنارے رک جاتی ہے - کیمرہ ان تینوں کو فوکس کرتا ہے]

ایک انسپکٹر (کلوزاپ) (ادھر ادھر دیکھ کر) یہاں تو کوئی نہیں ملے گا -

دوسرا انسپکٹر - ہاں اب آگے تو جنگل ہے - گاؤں پیچھے تھا -

کانسٹبل - گاؤں کے اندر نہیں جانا سر - وہاں کسی کو ماریں گے تو پھر ہنگامہ شروع ہوجائے گا -

پہلا انسپکٹر۔ کتنی ڈیڈ باڈیز چاہئیں ...؟
دوسرا انسپکٹر۔ (کلوزاپ) کمشنر صاحب نے تو سات مرنے والوں کی لسٹ بھیجی ہے۔
پہلا انسپکٹر (کلوزاپ) اونہہ ۔ اب منسٹر صاحب کیا لاشوں کو کھول کر دیکھیں گے ؟ دو چار مردے بھی کپڑے سے ڈھانپ کر ڈال دیئے تو ٹھیک ہے۔

[دور سے کسی کے سیٹی بجانے اور گانے کی آواز آتی ہے]

(کٹ)

[تینوں پولیس والوں کے مسکراتے ہوئے کلوزاپ۔ وہ گانے کی آواز سن کر اس طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں کوئی طربیہ ساز]

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

ملیش ۔ (دور سے سائیکل پر گاتا ہوا آرہا ہے ۔ زور زور سے سیٹی بجارہا ہے) گنپتی بپا موریا ... اب کے برس تو جلدی آ

(کٹ ۔ زوم ان)

[ملیش کیمرے کے قریب آجاتا ہے ۔ اس کے کاندھے پر ایک تھیلا لٹک رہا ہے ۔ اس میں پھل ترکاریاں ہیں۔ گنیش کی ایک چھوٹی سی مورتی بھی نظر آرہی ہے ۔ ملیش تیس پینتیس برس کا ایک صحت مند خوش مزاج نوجوان ہے ۔ سائیکل کے پیچھے بہت سی لکڑیاں اور بکریوں کا چارہ بھی بندھا ہوا ہے ۔ وہ سائیکل کا بھاری بوجھ کھینچتے میں گارہا ہے ۔ ملیش آگے بڑھتے بڑھتے کیمرے کے قریب آجاتا ہے ۔]

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

پہلا انسپکٹر (دور دیکھتے ہوئے) وہ جو سائیکل پر ایک آدمی آرہا ہے نا۔ اسے شوٹ کردو۔

(کانسٹبل گھبراکر) وہ سائیکل والے کو ۔۔ مگر وہ جانے کون ہے ۔ بے چارہ اپنی راہ جارہا ہے ۔

دوسرا انسپکٹر (غصے میں) ارے ، کوئی بھی ہوگا ۔ اب مارنے سے پہلے اس کی ذات پات پوچھنا ہے کیا ؟ اچھا موقع ہے آس پاس اور کوئی نہیں ہے (کانسٹبل کی طرف مڑکر) تمہارے پاس رائفل نہیں ہے ؟

کانسٹبل (شرمندگی کے ساتھ) جی نہیں ۔ وہ تو میں پولیس اسٹیشن پر رکھ کر آیا ہوں ۔

پہلا انسپکٹر " ہنہ ۔ ان کاونٹر کے لیے نکلے ہو اور اپنی رائفل پولیس اسٹیشن پر چھوڑدی ۔۔۔ ؟

پہلا انسپکٹر ۔ (بے چینی سے)ارے یار جلدی کرو ۔ وہ آگے نکل جائے گا ۔ اسے پتھر سے مارڈالو ۔

کانسٹبل (کلوزاپ ۔ گھبراکر) پتھر سے ۔۔۔ ؟ نکو صاب ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ یہ ٹھیک ہے ۔ پھر تم عدالت میں بھی یہ بیان دے سکتے ہو کہ میں تو ڈیوٹی پر نہیں تھا ۔ میرے ساتھ رائفل بھی نہیں تھی ۔ اس نے مجھے پتھروں سے مارا ۔ میں نے بھی اسے پتھر سے مارے ۔

کانسٹبل ۔ (پیچھے ہٹ کر) نکو سر ۔ بے قصور آدمی کو پتھر سے نہیں مارنا ۔

پہلا انسپکٹر ۔ ٹھیک ہے ۔ کل منسٹر آئیں گے تو تمہاری لاش ڈال دیں گے ان کے سامنے ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری ٹریننگ پوری نہیں ہوئی ہے ۔ تم کو ابھی کانسٹبل کی جگہ نہیں ملنا چاہیے ۔

کانسٹبل ۔ [دونوں ہاتھ جوڑ کر کیمرے کے سامنے آجاتا ہے]سوری سر ۔ ایسی بات نہیں ہے ۔ آپ دیکھو ۔ میں ابھی اس سائیکل والے کو ختم

کر دونگا ۔

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

[کانسٹبل ایک بھاری پتھر اٹھاکر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوجاتا ہے ۔ دونوں انسپکٹر بڑی حیرت اور توجہ کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں ۔]

پہلا انسپکٹر (سگریٹ سلگاتے ہوئے) چلو ایک لاش تو مل گئی ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ (بے چینی سے ۔ پاؤں پٹک کر) ہاں یار ۔ پھر بھی ابھی چھ ڈیڈ باڈیز اور ملنا ہیں ۔

(کٹ ۔ لانگ اسپلیٹ شاٹ)

ملیش کی سائیکل ان کے قریب آرہی ہے ۔ وہ بہت مگن ہے ۔
زور زور سے گارہا ہے ۔ " گنپتی بپا موریا ۔ اب کے برس تو جلدی آ "
ملیش کے جھولے میں گنیش کی بلتی ہوئی مورتی نظر آرہی ہے ۔
دونوں انسپکٹر بے چینی سے پتھر مارنے کے منتظر ہیں ۔
کانٹبل کے ہاتھوں میں پتھر کانپ رہا ہے ۔
ملیش بے فکری سے گارہا ہے
دنوں انسپکٹر چونک کر ادھر دیکھتے ہیں ۔
پتھر زمین پر لڑکھتا ہوا گر گیا ہے ۔

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

[ملیش کی سائیکل آگے نکل گئی ۔ پتھر اس کے قریب گرتا ہے ۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے اور ہنس کر کہتا ہے]

ملیش ۔ (کلوزاپ) کیوں بے کھٹمل ! آج صبح سویرے ہی بہت پی لی ہے کیا ... ؟ سالے ہمارے گاؤں میں آکر دھونس جمائی تو مزہ چکھادونگا ۔ بھوکے کتے ۔ روز گاؤں میں آجاتے ہیں شکار ڈھونڈنے ۔

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(ملیش سیٹی بجاتا ہوا دور چلاجارہا ہے ۔ دونوں انسپکٹر غصہ بھری نظروں سے کانسٹبل کو دیکھ رہے ہیں)

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

کانسٹبل (گردن جھکا کر شرمندگی کے ساتھ) اس کے ساتھ گنیش جی کی مورتی تھی سر ۔ اس کو اپن نہیں مار سکتے ۔ آج گنیش وسرجن ہے نا ۔

پہلا انسپکٹر (خفا ہوکر) ابے آج گنیش تیوہار ہے تو گنیش کی مورتی ہرجگہ نظر آئے گی ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ کمشنر صاحب خود بھی اپنے گھر میں بیٹھے مٹھائیاں کھارہے ہونگے آج ۔ اور منسٹر کو رپورٹ بھیج دیے کہ سات دہشت پسند پکڑے گئے ہیں ۔ (ادھر ادھر دیکھ کر زور سے پانوں پٹکتا ہے)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[گاؤں کا بازار ۔ فٹ پاتھ پر پھولوں ، مٹھائیوں اور کھلونوں کی دوکانیں ۔ عورتوں بچوں کی بھیڑ بھاڑ ۔ دوکانوں پر گنیش کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں سجی ہوئی ہیں ۔ ملیش سائیکل پر آگے بڑھتا ہے ۔ ایک پنڈال کے نیچے پھلوں اور روشنیوں سے سجے ہوئے منڈپ میں بہت بڑی گنیش کی مورتی رکھی ہے ۔ سامنے لوگ بیٹھے ہیں ۔ زور زور سے باجا بج رہا ہے ۔ بھجن گائے جارہے ہیں ۔ منڈپ کے سامنے نوجوان لڑکے اور بچے ناچ رہے ہیں ۔

(زدم ان ۔ مڈ شاٹ)

[ملیش سڑک پر ایک عورت کے قریب آتا ہے ۔ وہ سر پر رکھی ٹوکری میں پھل اور ترکاریاں لیے جارہی ہے]

ملیش ۔ سلام مالن بی خالہ ! آج بہت چیزیں لے جارہی ہو ۔ کیا ہماری دعوت کررہی ہو ۔ (اس کی ٹوکری میں سے ایک کیلا اٹھالیتا ہے)

مالن بی ۔ میں کیوں کروں آج تیری دعوت ؟ آج تو میں تیرے گھر آونگی ۔ درگا میٹھی پوریاں بنارہی ہوگی ۔ تیوہار کا دن ہے نا ۔
ملیش ۔ نکو خالہ ۔ آج تم گھر سے باہر نکو نکلو ۔ کھٹملوں کی جیپ گاؤں کی طرف آرہی ہے ۔
مالن بی ۔ (ملیش کے سامان کو دیکھکر خوش ہوجاتی ہے) ملیش ! آج صبح سویرے تو کتنی بہت سی لکڑیاں لے آیا ہے رے ۔ جنگل گیا تھا کیا ؟ اچھا ہے اب آٹھ دن درگا کا چولہا جلے گا ۔
ملیش ۔ اجی خالہ ! میں جنگل سے لکڑیاں چراکے نہیں لایا ۔ منگل باٹ گیا تھا ۔ آج ، گنیش کے تیوہار کے دن چوری کرونگا کیا ؟
[ایک بوڑھا بچے کا ہاتھ پکڑے جارہا ہے ۔ بچے کے ہاتھ میں کھلونے ہیں ۔ وہ جاتے جاتے ملیش کے پاس رک جاتا ہے]
بوڑھا ۔ مالن بی آج اپنے مرد کو جنگل نکو جانے دے ۔ کل سوریا پیٹھ کے نارائن ریڈی اور اس کے بھائی کو غنڈے مارڈالے کتے ۔ نرساپور کا پولیس اسٹیشن بھی جلا دیئے ۔ جنگلوں میں پولیس پھر رہی ہے کل سے ۔
(سڑک پر جانے والے بوڑھے آدمی کی بات غور سے سن رہے ہیں)
(لوگوں کے خوف اور تعجب کے کلوزاپ)
(کٹ ۔ لانگ شاٹ)
[ایک عورت اور مرد بچوں کا ہاتھ پکڑے پوجا کا تھال لیے جارہے ہیں ۔ عورت مرد سے کہتی ہے ۔ عورت پر زوم ان]
عورت ۔ یہ پولیس والوں کی صورت کو انگھار لگو ۔ ماٹی ملے ہمیشہ تیوہار کے دن ہی گڑبڑ کرتے ہیں ۔ پوجا کرکے گھر چلے جائیں گے ۔ وسرجن کے میلے میں کوئی نہیں جانا ۔
(زوم آوٹ ۔ مڈ شاٹ)

(ملیش سائکل آگے بڑھاتے ہوئے لاپرواہی سے کہتا ہے)

ملیش ۔ ارے چھوڑو ۔ بھابھی ! اب پولیس والوں کے ڈر سے کیا میلے میں جانا بھی چھوڑ دیں گے اپن ؟

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[ملیش اپنے گھر کے سامنے آتا ہے ۔ بڑا سا آنگن ہے ۔ ایک طرف چھپر کے نیچے بکریاں بندھی ہوئی ہیں ۔ آنگن میں مرغیاں پھر رہی ہیں ۔ اس کی بیوی درگا آنگن میں گوبر کا چھڑکاؤ کر کے رنگولی بنارہی ہے ۔ درگا خوبصورت نوجوان عورت ہے ۔ جوڑے میں گیندے کے پھولوں کی بینی لگائی ہے ۔ چمکیلے بارڈر والی سرخ ساڑی پہنے ہوئے ہے ۔ وہ ملیش کو دیکھ کر مسکراتی ہے]

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

ملیش ۔ (اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا ہے) اوہ ! بہت لایٹ ماری ہے آج ۔ کتنی جلدی تھی تجھے اس ساری کو پہننے کی ۔

(دونوں کی ہنسی)

درگا ۔ (شرماکر) بالما بول رہی تھی ۔ تیرا مرد کتنی اچھی ساری لایا ہے تیرے لیے شہر سے ۔

[ملیش آنگن میں سائیکل رکھ کر جھولا اتارہا ہے ۔ چٹی اور بابو باہر سے بھاگتے ہوئے آتے ہیں اور اس کے جھولے میں سے چیزیں نکالنے لگتے ہیں ۔ چٹی آٹھ نو برس کی ہے ۔ آج اس نے بھی عید کی خوشی میں بھڑک دار لہنگا اور جیکٹ پہنی ہے ۔ بالوں میں پھول لگائے ہیں ۔ بابو پانچ چھ برس کا معصوم بھولا بھالا لڑکا ہے]

بابو (جھولے میں ہاتھ ڈال کر) نائینا ! پھول مٹھائی اور چاکلیٹ لے آئے ؟

چٹی ۔ گڑ کہاں ہے .... ؟ آج اماں میٹھی پوریاں بنانے والی ہے ۔

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

[اندھیرے کمرے میں ایک بوڑھی عورت بستر پر لیٹی کھانس رہی ہے
۔ وہ کھانسی روک کر درگا کو پکارتی ہے]

اماں ۔ درگا ۰ او درگا اماں ۔ ملیش بازار سے آگیا کیا ۔۔۔۔ میری دوا
لایا ۔۔۔ ؟

ملیش ۔ (جیب سے دوا کا پیکٹ نکال کر دیکھتا ہے) اماں تمہاری دوا
آگئی ہے ۔ چٹی ۔ جا پہلے اپنی دادی کو دوا کھلادے ۔

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[درگا رنگولی بنارہی ہے ۔ ملیش سائیکل کا سامان اتار کر آنگن میں آتا
ہے]

درگا ۔ (پلٹ کر اسے دیکھتی ہے) ذرا دیکھ کر چلو ۔ کہیں رنگولی پر تمہارا
پاؤں نہ پڑجائے ۔

بابو ۔ اماں ! رنگولی پر سب سے پہلے پانوں رکھ کر بھگوان اندر آتے
ہیں نا ۔۔۔ ؟

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

(ملیش ، درگا اور چٹی کے ہنستے ہوئے چہرے)

درگا ۔ بابو کو اب سب کچھ معلوم ہوگیا ہے ۔

چٹی ۔ اب بابو ٹیچر بن جائے گا ۔

بابو ۔ اماں ! اب جلدی سے میٹھی پوریاں بنادو نا ۔ اپن بھی پوجا کرنے
جائیں گے ۔

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(ملیش آنگن کے نل کے پاس نہارہا ہے)

(چٹی چولھے میں لکڑیاں رکھ کر چولھا پھونک رہی ہے)

(درگاہ چولھے کے سامنے بیٹھی پوریوں کا آٹا گوندھ رہی ہے)
(بابو ماں کے پاس بیٹھا بے صبری سے دیکھ رہا ہے ۔ وہ گڑ نکالنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے ۔ درگا اس کا ہاتھ جھٹک دیتی ہے)
درگا ۔ یہ پوجا کی پوریاں ہیں بابوُ ۔ گندے ہاتھ مت ڈال ۔
چٹی ۔ بابو ۔ آج تو کتنی پوریاں کھائے گا ؟
بابو ۔ (دونوں ہاتھ پھیلا کر دس)
(سب ہنستے ہیں)
کٹ ۔ مڈ شاٹ)
(ملیش نہا کر کمر سے تولیہ لپیٹے اندر آتا ہے)
ملیش ۔ درگا ! میرے کپڑے کہاں ہیں ۔ ؟
درگا ۔ چٹی ! جاؤ صندوق میں سے نئے کپڑے نکال کر دے دو ۔
(کٹ)
(ملیش دیوار پر لگے چھوٹے سے آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھی کر رہا ہے اور گنگنا رہا ہے ۔ اس نے نئی دھوتی اور کرتا پہنا ہے ۔ اندر سے ماں کے کھانسنے کی آواز آتی ہے)
ملیش ۔ چٹی ! اماں کو دوا کھلادی کیا ۔
(چٹی پوریاں بنارہی ہے ۔ ملیش دیوار پر لگی گنیش کی چھوٹی سی مورتی کے آگے جاکر پوجا کرتا ہے ۔ مورتی پر پھولوں کا ہار پڑا ہے ۔ چراغ جل رہا ہے ۔ اگر بتی سلگ رہی ہے ۔)
(کٹ ۔ لانگ شاٹ)
[پولس کی جیپ تیزی سے آکر بڑے زور سے ملیش کے گھر کے سامنے رکتی ہے ۔ جیپ کو دیکھ کر راہ گیر گھبرا کر ادھر ادھر بھاگتے ہیں ۔ لوگ خوف زدہ ہوکر دیکھ رہے ہیں ۔ بچے کھیل چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں ۔ بابو بھی

بھاگتا ہوا آتا ہے اور گھبرا کر پولس والوں کو دیکھ رہا ہے ۔ درگا جلدی سے رنگولی بنانا چھوڑ کر اندر چلی جاتی ہے ۔ ایک پولس انسپکٹر رنگولی پر پاؤں رکھ کر آگے بڑھتا ہے تو بابو جلدی سے انہیں روک دیتا ہے]

بابو ۔ رنگولی پر ابھی پانوں نکو رکھو ۔ اس پر پہلے بھگوان پانوں رکھتے ہیں ۔

(کٹ)

[تینوں پولیس والے رنگولی پر پانوں رکھتے ہوئے دروازے کی طرف جاتے ہیں ۔]

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

(بابو کے پاس کھڑا ایک چھوٹا سا بچہ کہتا ہے)

بچہ ۔ بابو ! ماں بولتی ہے پولس والے تو بھگوان سے بھی بڑے ہوتے ہیں ۔

(بابو بچے کو غصے سے ڈھکیل دیتا ہے)

(کٹ ۔ کلوزاپ)

[گھر کے اندر جیپ رکنے کی آواز سن کر ملیش اور درگا ایکدوسرے کو گھبرا کر دیکھتے ہیں ۔ درگا پیچھے کی طرف ہٹ جاتی ہے ۔ ملیش آگے بڑھتا ہے]

(کٹ)

ایک انسپکٹر ۔ ملیش بابو ... ملیش اس گھر میں رہتا ہے نا ؟

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[ملیش جلدی سے بھگوان کے آگے جاکر ہاتھ جوڑتا ہے ۔ وہ بہت گھبرایا ہوا ہے]

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(باہر آکر دونوں ہاتھ جوڑ کر پولس والوں کو سلام کرتا ہے)

پہلا انسپکٹر ۔ ملیش ۔ تیرے سے تھوڑا کام ہے ہمارے کو ۔ ذرا ہمارے

ساتھ چلنا ہے ۔
ملیش (۔گھبرا کر) میرے سے ؟ ... میں ... میرے کو تو بخار آگیا ہے صاب ۔ اور پھر آج تیوہار کا دن ہے نا ...
[درگا گھر کے ایک کونے میں کھڑی ہے ۔ گھبرا کر کہتی ہے]۔
درگا ۔ نکو نکو ، اسے نکو لے جاؤ صاب ۔ ہم لوگ تو وسرجن کے میلے میں جارہے ہیں ۔ ابھی تو پوجا بھی نہیں کیے ۔

(کٹ)

(چٹی اور بابو پولس والوں کے ڈر سے دادی کے کمرے میں چھپ گئے ہیں)

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

دوسرا انسپکٹر ۔ ارے بخار ہے تو کیا ہوا ۔ ہم کیا تجھے سولی پر چڑھانے لے جارہے ہیں ۔
پہلا انسپکٹر ۔ وہ دیکھ جیپ میں عبداللہ ، نرسی ، راملو بھی بیٹھے ہیں ۔

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

(ملیش پلٹ کر دیکھتا ہے ۔ جیپ میں وہ تینوں سر جھکائے بیٹھے ہیں)

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

پہلا انسپکٹر ۔ پرسوں سوریا پیٹھ کے نارائن ریڈی اور اس کے بھائی کو ... مارڈالے ۔ نرساپور کا پولس اسٹیشن جلادیئے کل ۔ ان ... کو ابھی تک کیوں نہیں پکڑے ؟ اسمبلی میں اپوزیشن والے بہت شور مچاتے ۔ منسٹر صاحب بھوت غصے میں آگئے تو کمشنر صاحب ہوم منسٹر کو فون کرکے بولدیئے کہ ساتوں غنڈوں کو گرفتار کرلیے ہیں ۔
(ملیش اور درگا منہ کھولے اس کی بات سن رہے ہیں)
دوسرا انسپکٹر ۔ اب کل منسٹر صاحب وزٹ کے لیے آرہے ہیں ۔ بس

ذرا ان کو دکھا دینا ہے کہ ہم غنڈوں کو حوالات میں بند کردیئے ہیں ۔ وہ دس گیارہ بجے تک چلے جائیں گے ۔ تم لوگ اپنے گھروں کو آجا نا ۔

در گا ۔ (گھبرا کر) حوالات میں ڈالیں گے ۔ آج تیوہار کے دن ؟ (ملیش کو پکڑ کر پیچھے ڈھکیلتی ہے) نکو نکو ۔ تم ان کے ساتھ نکو جاؤ ۔

پہلا انسپکٹر ۔ (بڑی دلچسپی سے در گا کو دیکھتا ہے) تیری جورو تو بڑی چٹ پٹی ہے ملیش ۔ چل اندر جا ۔ سرکاری کاموں میں عورتوں کا کیا بیچ ہے ۔

(اندر سے اماں کے کھانسنے کی آواز آرہی ہے)

اماں کی آواز ۔ در گا اری او در گا ! سب میلے میں چلے گئے کیا ؟ مجھے بھی اپنے ساتھ لیجاناتھا ۔ اب اگلے برس میں زندہ رہوں گی کیا تمہارے ساتھ جانے کو ۔ (زور زور سے کھانس رہی ہے)

(کٹ)

(در گا ۔ ملیش ۔ چٹی ۔ بابو سب گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں)

(زوم آوٹ)

ملیش ۔ نہیں صاب ۔ میں نہیں جاتا ۔ وہ غنڈے پھر ہمارے دشمن بن جاتے ہیں ۔ تم لوگ پولس والوں کا ساتھ کیوں دیئے ہم سے پوچھتے ہیں ... آج پوجا کا دن ہے ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ (زبردستی ہاتھ پکڑ کے جیپ کی طرف ڈھکیل دیتا ہے) ابے ہم ہیں نا ۔ تو کیوں ڈرتا ہے ۔ تجھے کل ایک انعام ملے گا ۔ اپنی بیوی کے لیے شہر سے اچھی اچھی ساریاں لانا ۔

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(ملیش کے گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم ۔ کانسٹبل سب کو ڈنڈے مار کے بھگارہا ہے)

کانسٹبل ۔ چلو بھاگو یہاں سے ۔ کوئی تماشا ہورہا ہے کیا ؟ کسی نے گڑبڑ
کی تو سب کو جیپ میں ڈال کر لے جاؤنگا ۔
(لوگ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں)
(کٹ ۔ مڈ شاٹ)
درگا ۔ (ملیش کا ہاتھ پکڑ کے کھینچتی ہے) میں ملیش کو نہیں جانے
دونگی ۔ ہم چور ہیں کیا ؟ تم زبردستی میرے مرد کو حوالات میں کیوں بند کررہے
ہو ۔ چلو میں تمہارے صاب سے بات کرونگی ۔
دوسرا انسپکٹر ۔ (درگا کا ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف کھینچتا ہے)بہت زبان
چلارہی ہے ۔ لے جاؤں کیا تجھے بھی اپنے ساتھ ..... چل .. اندر جا ۔
(ملیش کو پولیس والے زبردستی جیپ میں ڈھکیل رہے ہیں ۔ چٹی ۔ بابو
اور درگا زور زور سے رورہے ہیں ۔ سڑک پر کھڑے نوجوان لڑکے چلارہے
ہیں ۔ پولس والوں کو روکتے ہیں)

(Split شاٹ)
گنیش کی مورتی کے آگے لوگ زور زور سے بھجن گارہے ہیں ۔
درگا کے چولھے پر کڑھائی میں پوریاں جل رہی ہیں ۔
ملیش کی ماں زور زور سے کھانس رہی ہے
ملیش جیپ میں سر پکڑے بیٹھا رورہا ہے ۔
منڈپ میں بیٹھی گنیش کی مورتی کا بڑا سا کلوزاپ ۔ گانے کی آوازیں
ملیش کا بڑا سا آنسو بھرا چہرہ (کلوزاپ)
(کٹ ۔ لانگ شاٹ)
[گاؤں کی سڑک پر لوگوں کا ہجوم جیپ کو روک دیتا ہے ۔ ایک
نوجوان آگے بڑھ کر انسپکٹر سے کہتا ہے]

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

نوجوان ۔ یہ سب بے قصور لوگوں کو پکڑ کے آپ کیوں لے جارہے ہیں صاب ؟

پہلا انسپکٹر ۔ راستے سے ہٹ جاؤ ۔ سرکاری کام میں دخل دیا تو تمہارے کو بھی پکڑ کے لے جاؤنگا ۔

(دو تین نوجوان آگے بڑھ کر جیپ گھیر لیتے ہیں)

ایک آدمی ۔ چلو ہم خود چل کر کمشنر صاحب سے بات کرینگے ۔

دوسرا آدمی ۔ ہم بھی جائیں گے ۔ کس سے بات کرنا ہے بولو ۔

(کانسٹبل انسپکٹر کے اشارے پر انہیں ڈھکیل دیتا ہے)

انسپکٹر ۔ ہم سے بات کرنا ہے ۔ اے چھوکرے !دماغ خراب ہوگیا ہے کیا تیرا ... ایک سال کے لیے اندر کردونگا اگر زیادہ بک بک کی ۔

(زوم آوٹ)

[جیپ کے بریک زور سے چیختے ہیں ۔ جیپ اسٹارٹ ہوتے ہی لوگ ادھر ادھر ہوجاتے ہیں ۔ دونوں لڑکے جیپ کے پیچھے بھاگنا چاہتے ہیں ۔ جیپ ہجوم کے بیچ میں سے تیزی سے آگے بڑھ جاتی ہے]

(کٹ)

[چٹی ، درگا اور بابو دروازے کے سامنے کھڑے رورہے ہیں ۔ لوگ انہیں سمجھارہے ہیں]

(کٹ)

[جیپ میں عبداللہ ، نرسی ، راملو اور ملیش سر جھکائے اداس بیٹھے ہیں ۔ان کی جیپ گنیش کے منڈپ کے پاس سے گذرتی ہے گاوں کا میلہ ۔ بچوں اور عورتوں کا ہجوم ناچ گانے کھیل تماشے ہورہے ہیں۔]

(کٹ)

(گنیش کا بڑا سا کلوزاپ)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(جنگل کے بیچ سڑک پر دور کہیں تین سفید ایمبسڈر کاریں جارہی ہیں)
(دور سے پولیس کی جیپ آتی ہے ۔ کیمرہ جیپ میں بیٹھے ہوئے ملیش ، راملو ، نرسی اور عبداللہ پر جاتا ہے ۔ انسپکٹر دور سے آتی ہوئی کاروں کو دیکھ رہا ہے)

انسپکٹر (کلوزاپ) (خوش ہوکر) کمشنر صاحب آگئے ہیں ۔

دوسرا انسپکٹر ۔ مگر یار یہ تو گڑبڑ ہوگئی ۔ ملزم تو ابھی ہماری جیپ میں ہیں ۔ انہیں جلدی سے حوالات پہنچادینا چاہیے ۔

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[جیپ کاروں کے پاس رکتی ہے ۔ تینوں پولیس والے جلدی سے اتر کر کمشنر صاحب کو سلام کرتے ہیں ۔ کمشنر صاحب پولس کا ڈریس پہنے ہوئے ہیں ۔ وہ اونچے پورے شاندار آدمی نظر آتے ہیں ۔ ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے ہیں]

انسپکٹر ۔ (جھک کر ادب کے ساتھ) یہ چاروں ملزم مل گئے ہیں اور اب انہیں حوالات میں ڈال دینگے ابھی ۔

کمشنر ۔ (آہستہ سے) نہیں ۔ حوالات میں ڈالنے سے کام نہیں چلے گا ۔ منسٹر صاحب کو تو یہ رپورٹ گئی ہے کہ ساتوں terrorists مارے گئے ہیں ۔ اب ہمیں ان کی ڈیڈ باڈیز منسٹر کو دکھانا ہیں ۔ انہیں ابھی کسی گھنے جنگل میں لے جا کر شوٹ کردو

(کٹ)

[نرسی ، عبداللہ ، راملو اور ملیش کے روتے ہوئے چہرے ۔ وہ زور زور سے چلا کر کمشنر صاحب سے کہہ رہے ہیں ہمیں چھوڑدو ۔ وہ بے قصور ہیں

کانسٹبل انہیں مار مار کر چپ کرا رہا ہے]

(کٹ)

پہلا انسپکٹر ۔ مگر سر ۔ ہم انہیں شوٹ نہیں کر سکتے ہم تو ان کے گھروں سے انھیں پکڑ کے لائے ہیں ۔ یہ تو گاؤں والے ہیں ۔

کمشنر ۔ بکواس بند کرو ۔ منسٹر کو فائل چلی گئی ہے ۔ وہ ڈیڈ باڈیز دیکھنے آرہے ہیں (ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھ کر) اب ان کے آنے میں دو گھنٹے ہیں ۔

(کٹ)

(کمشنر کی کاریں آگے بڑھ جاتی ہیں ۔ دونوں انسپکٹر اور کانسٹبل ایک دوسرے کو گھبرا کر دیکھتے ہیں)

(کٹ split شاٹ)

ملیش ، عبداللہ ، نرسی اور راملو کے روتے فریاد کرتے ہوئے چہرے

کانسٹبل انہیں زبردستی جیپ سے باہر کھینچ رہا ہے

کانسٹبل کے ہاتھ میں کانپتا ہوا پستول

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(فائرنگ کی آوازیں ۔ دھواں سارے اسکرین پر پھیل جاتا ہے ۔ مرنے والوں کی چیخیں ۔ دور ڈھول بجنے اور بھجن گانے والوں کی آوازیں ۔ جیپ اسٹارٹ ہونے کی آوازیں ۔)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(منسٹر کی سفید ایمبسڈر کاریں گاؤں کی سڑک پر جارہی ہیں)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

کاروں کے پیچھے گاؤں کے بچوں ، عورتوں کا ہجوم ، روتے چلاتے لوگ بھاگ رہے ہیں ۔ دور کی آوازیں " ہمارے گھر والوں کو پولیس والے پکڑ کے لے گئے جی ... منتری جی ۔ ہمارے لوگوں کو چھوڑدو ۔ منتری جی ، ہماری بات

سنو ۔ پولیس والے ہمارے گھروں میں گھس جاتے ہیں ۔ منتری جی ۔۔۔ او منتری جی ۔۔۔ منتری مہاراج کی جئے ۔ منتری گارو کی جئے ۔ "

منتری کی کاریں ہجوم سے بچتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں ۔ سامنے پولس کی وین اور اسکوٹر پر باڈی گارڈز ہیں ۔

(زوم ان ۔ مڈ شاٹ)

(منسٹر کی کاریں ایک جگہ رک جاتی ہیں ۔ کمشنر کار سے اتر کر منسٹر کی کار کی طرف بڑھ کر سلام کرتا ہے سب پولس والے اتر کر آس پاس کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ دور ایک درخت کے نیچے سفید کپڑوں میں لپٹی لاشیں پڑی ہیں ۔ چاروں طرف خون کے دھبے نظر آرہے ہیں ۔

(کٹ)

(منسٹر کی کار کے اندر کچھ نظر نہیں آتا)

(زوم ان)

[ڈرائیور کار کا دروازہ کھولتا ہے ۔ کار کے اندر بہت موٹے منسٹر سفید دھوتی ، سلک کا کرتا پہنے اونگھ رہے ہیں ۔ ڈرائیور کو ہٹا کر پی اے آگے بڑھتا ہے اور آہستہ سے کہتا ہے ۔۔۔ سر ۔۔۔]

(کلوزاپ ۔ زوم ان)

(منسٹر چونک پڑتے ہیں ۔ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہیں)

منسٹر ۔ کیا ہے ۔۔۔ ؟

کمشنر ۔ (کار کے آگے جھک کر) سر وہ سامنے terrorists کی ڈیڈ باڈیز ہیں ۔ آپ نیچے اتر کر دیکھنا چاہیں تو (زوم آوٹ) (راستہ چھوڑ کر دور ہٹ جاتا ہے)

(چار کانسٹبل اور باڈی گارڈز چھتری لے کر چاروں طرف سے کار کو گھیر لیتے ہیں)

منسٹر۔ (کار کے شیشے کے اندر سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھتے
ہیں) اچھا ..... وہ .... درخت کے نیچے ... ٹھیک ہے ۔ سات ڈیڈ باڈیز
ہیں نا ... ؟ (گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتے ہیں) نہیں نہیں ۔ میں کار سے نہیں
اترونگا ۔ یہ گاؤں والے اتنا شور کیوں مچارہے ہیں ... ؟

(زوم آوٹ)

کمشنر ۔ گاؤں والے آپ کو یہاں دیکھ کر خوش ہوجاتے ہیں ۔ سر ۔ سب
اپنی اپنی شکایتیں لے کر کاروں کے پیچھے دوڑنے لگتے ہیں ۔

(منسٹر یہ سن کر خوش ہوجاتے ہیں)

منسٹر ۔ ٹھیک ہے ان سب terrorists کے گھروں کی تلاشی لو ۔ اور جتنے
ہتھیار ملیں ان کی لسٹ بنا کر فائل ہمارے آفس بھیجو ... (مڑ کر پی اے سے
کہتے ہیں) اسمبلی والی فائل میں اس کیس کی پوری رپورٹ شامل کرو ۔

(پی اے گردن ہلا کر منسٹر کی حکم کی تائید کرتا ہے)

منسٹر ۔ (اشارے سے کمشنر کو قریب بلاتا ہے ۔ کمشنر دونوں ہاتھ
باندھے کار کے آگے جھک جاتا ہے) گاؤں میں شانتی رہنا ۔ پولس والوں سے
گاؤں والوں کو کوئی شکایت نہیں ہونا ۔ گاؤں والوں کے ساتھ کیا ظلم و زیادتی
ہوتی ہے ۔ سب کی فائل بناؤ ۔ (اشارے سے کار آگے بڑھانے کو کہتے ہیں)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(لوگوں کا ہجوم ... منسٹر کی کار کو گھیرلیتا ہے ۔ منسٹر کار روکنے کا اشارہ
کرتے ہیں منسٹر کار سے باہر آتے ہیں ۔ چاروں طرف سے کمانڈوز اور پولس
والے انہیں گھیر لیتے ہیں ۔ لوگوں کو ڈنڈے مار مار کر دور ہٹادیتے ہیں)

(کٹ ۔ ٹرالی شاٹ)

(منتری جی سنہری کناری والی دھوتی اور سلک کا کرتا پہنے ایک اونچی
جگہ پر کھڑے ہیں ۔ ان کے چاروں طرف بندوقیں تھامے کمانڈوز کھڑے ہیں ۔

آس پاس لوگوں کا ہجوم زور زور سے چلا رہا ہے ۔ ان میں ملیش کی بوڑھی ماں اور درگا بھی شامل ہیں)

(مختلف آوازیں ۔ روتے فریاد کرتے چہروں کے کلوزاپ)

" منتری جی ! میرے بیٹے کو پولس والے پکڑ کے لے گئے ۔ منتری جی !ہم بے قصور ہیں ۔ میرا مرد کوئی جرم نہیں کیا ۔ آپ بتاؤ میرا مرد کہاں ہے ؟ آپ کمشنر صاحب کو بولو ۔ بے قصور لوگوں کو چھوڑ دو ۔ ہمارے گھروں میں آکر ہماری عورتوں کو پولس والے ستا رہے ہیں ۔ منتری جی ۔ منتری جی ۔ منتری جی ... "

(زوم ان ۔ مڈ شاٹ)

منتری ۔ (دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے پیار سے کہتے ہیں) آپ سب شانت ہوجائیں ۔ اس گاؤں میں غنڈہ راج نہیں چلے گا ۔ ہم یہاں شانتی قائم کرنے آئے ہیں ۔ آپ کو معلوم ہے ۔ آپ کو پریشان کرنے والے سب غنڈے ختم ہوچکے ہیں ۔ ہمارے کمشنر صاحب نے اپنی جان کی پروا نہیں کی اور جنگلوں میں جاکر غنڈوں کو پکڑا ہے ۔ اب کمشنر صاحب بار بار گاؤں آتے رہیں گے ۔ آپ کو جو بھی شکایت ہے ان سے کہیے ۔ نمسکار ۔ جئے ہند ۔۔

(منسٹر کار میں سوار ہونے سے پہلے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر سب کو نمسکار کرتے ہیں)

(درگا پولس کا دائرہ توڑ کر چلاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے)

درگا ۔ منتری جی ! ہمارے گاؤں میں پولس والوں کو نکو بھیجو ۔ وہ میرے مرد کو پکڑ کے لے گئے ہیں ۔ آپ ان کو بول دو ملیش کو چھوڑ دینا ۔

(پولس والے درگا کو پیچھے ڈھکیل دیتے ہیں)

(کٹ ۔ زوم آوٹ)

سب کاریں آگے بڑھتی ہیں (کٹ) کار کے اندر سے منتری جی

روتے چلاتے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں (کٹ) کار کے شیشے میں سے آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کا ہجوم دور ہوتا جارہا ہے (کٹ) مستری جی گھبرا کر گردن جھکالیتے ہیں ۔ ان کا پی اے تھرموس سے فروٹ جوس نکال کر دیتا ہے ۔ مستری جی جوس پی کر سر پیچھے کر کے آنکھیں بند کرلیتے ہیں ۔

Dissolve ۔ ملیش کے گھر میں دیوار پر گنیش کی مورتی ۔ آگے اگر بتی جل رہی ہے ۔ چراغ جل رہا ہے درگا ، چٹی اور بابو مورتی کے آگے ہاتھ جوڑے اور سر جھکائے دعا مانگ رہے ہیں ۔ چولھے کی آگ بجھ چکی ہے ۔ کڑھائی میں پوریاں جل گئی ہیں ۔ چولھے کے پاس چوکیاں رکھی ہیں ۔ ان کے آگے خالی پترولیاں ، پوریوں سے بھری تھالی ، مٹھائی اور پھلوں کے تھال ، اندھیرے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے بوڑھی ماں رورہی ہے ۔ درگا پوجا کا تھال اٹھاتی ہے ۔ باہر جیپ رکنے کی آواز آتی ہے ۔ شور کی آواز سن کر اس کے ہاتھ سے تھالی گرجاتی ہے ۔ وہ سب ایک دوسرے کو خوش ہوکر دیکھتے ہیں اور دروازے کی طرف بھاگتے ہیں)

بابو ۔ ناشتا آگئے ... ناشتا آگئے ...

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(درگا بھی جلدی سے دروازے کی طرف بڑھتی ہے جیپ میں سے پولس والے اترتے ہیں ۔ درگا بڑی مایوسی کے ساتھ ان سے پوچھتی ہے)

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

درگا ۔ تم لوگ ملیش کو کیوں نہیں لائے ؟ صبح گھر لاکر چھوڑ دیں گے بولے تھے نا .. کہاں ہے وہ .. ؟

انسپکٹر ۔ آجائے گا وہ ۔ پہلے یہ بتاؤ تم نے اپنے گھر میں کتنے بم ، کتنے ہتھیار چھپاکر رکھے ہیں ؟

درگا ہمارے گھر میں بم ... ؟ ہتھیار ؟ بم آپ یہ کیا بول رہے ہیں

صاب ... ؟

انسپکٹر۔ ہمارے کو خبر ملی ہے تمہارے گھر میں کیا کیا ہے ۔ چلو ہٹو۔ آو دیکھو گھر میں کیا ہے

[پولس والے سارے گھر کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کررہے ہیں ۔ بابو اور چٹی ڈر کے مارے ایک کونے میں چھپ جاتے ہیں۔ درگا ان کو روکتی ہے ان سے لڑتی ہے]۔

درگا ۔ کیوں آئے ہمارے گھر میں ۔ ملیش کو آنے دو تم سب کو مزہ چکھاؤنگی ۔۔ (روتی ہے)

انسپکٹر ۔ پکڑو اس عورت کو ۔ یہ ایسے نہیں بتائے گی کہ ہتھیار کہاں چھپائے ہیں ۔

[پولس والے درگا کو پکڑنے جاتے ہیں ۔ وہ چٹی کو لے کر ادھر ادھر بھاگتی ہے ۔ بدحواسی میں گھر کی ٹوٹی چھت پر چڑھ کر دوسری طرف کودنا چاہتی ہے مگر پھسل کر نیچے گر پڑتی ہے ۔ اس کے سر پر چوٹ لگتی ہے ۔ خون بہہ رہا ہے ۔ چٹی بھی دیوار پر چڑھتے وقت دوسری طرف گرجاتی ہے ۔ بابو اس ہنگامے سے ڈر کر مرغیوں کے ڈربے میں گھس کر چھپ جاتا ہے ۔ وہ وہیں بیٹھا سب دیکھ کر ڈر کے مارے رو رہا ہے]

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(ملیش کے گھر کے باہر گاؤں والوں کا ہجوم ہے ۔ وہ سب غصے کے مارے چلا رہے ہیں ۔ پولیس والے انہیں ڈنڈے مار کر بھگا رہے ہیں)

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

انسپکٹر ۔ سرکاری کام میں گڑبڑ نہیں کرنا ۔ اس گھر میں بم اور ہتھیار چھپاکر رکھے ہیں ۔ ہمارے کو رپورٹ ملی ہے ۔ ہم تلاشی لیں گے ۔

(کٹ)

(اندھیرے کمرے میں اماں زور زور سے چلارہی ہے)

اماں ۔ ملی بیٹا ۔ او مليش ۔۔ کہاں مرگئے سب ۔ ارے یہ کیا ہورہا ہے ۔ ملی کو وہ لوگ ابھی تک کیوں نہیں لائے ۔ درگا ۔۔۔ ؟ او درگا ۔۔ ؟ مرگئی کیا ۔۔۔ ؟ بولتی کیوں نہیں ۔۔ ؟

(کٹ ۔ split شاٹ)

پولس والے گھر کے سامان کو اٹھاکر ادھر ادھر پھینک رہے ہیں ۔ ایک کانسٹبل سامان لاکر آنگن میں اکٹھا کررہا ہے ۔ ڈربے میں مرغیاں چلارہی ہیں ۔ بابو دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر ڈربے میں بیٹھا رو رہا ہے ۔

آنگن کے سامان میں ، اوکھلی کا موسل ، ہتھوڑی ۔ پھاوڑے ، چاقو ، ہنسیا ۔ غلیل ، لاٹھیا ، درانتی ، مٹی اٹھانے کے ٹوکرے ، بالٹیاں ، پیتل کے گھڑے ، مٹی کی ہانڈیاں ، ٹین کے کنستر ۔۔۔

[ایک کانسٹبل رجسٹر میں سامان کی لسٹ بنارہا ہے ۔ انسپکٹر بڑی مایوسی کے ساتھ سامان کو دیکھ کر کانسٹبل سے کچھ کہتا ہے]

(مڈ ۔ شاٹ)

(دوسپاہی ایک وین کا دروازہ کھول کر ایک مشین گن ، دو رائفل ، بم رکھنے کے ڈبے ، بارود کے سلینڈر لاکر اس سامان کے ساتھ رکھتے ہیں)

انسپکٹر ۔ اب آگے لکھو ۔ دہشت پسند مليش کے گھر سے ایک مشین گن ۔ دو رائفل ۔ دو بم ۔۔۔

(کٹ ۔ مڈ شاٹ)

(انسپکٹر کار میں بیٹھتے ہیں ۔ کانسٹبل انہیں سلام کرتے ہیں)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

(کاریں گاؤں کو پار کر کے جنگل کی طرف جارہی ہیں ۔ گاؤں والے چیختے چلاتے ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں)

(کٹ ۔ لانگ شاٹ)

[بابو روتا ہوا ڈربے سے نکل کر ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ پولس والے گھر میں ہیں یا چلے گئے ۔ وہ ڈر کے مارے کانپ رہا ہے ۔ چاروں طرف گھر کا سامان بکھرا پڑا ہے ۔ اس کی غلیل اور چٹ کی گڑیا زمین پر پڑی ہے ۔ چولھا ٹھنڈا ہوچکا ہے ۔ کڑھائی کی پوریاں جل چکی ہیں ۔ مٹھائی اور پوریوں کے تھال خالی پڑے ہیں ۔ چٹ کی لاش دیکھ کر وہ رونے لگتا ہے ۔ پھر ڈر کے مارے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے ۔ زمین پر گنیش کی مورتی اوندھی پڑی ہے ۔ وہ جلدی سے مورتی اٹھاکر اسے چوم لیتا ہے ۔ ماتھے سے لگاتا ہے ۔ اسے زمین پر کچھ اور بھی نظر آتا ہے ۔]

(زوم ۔ ان)

بابو (بڑے غور سے جھک کر نیچے دیکھتا ہے اور جھپٹ کر کچھ اٹھالیتا ہے اب اس کے چہرے پر خوشی نظر آتی ہے وہ جلدی سے درگا کی لاش کی طرف بھاگتا ہے اور بڑی مسرت کے ساتھ چلاتا ہے)۔۔۔ اماں ۔۔۔ اماں ! دیکھ ! ایک پوری بچ گئی ہے !

(بابو کے ہاتھ میں جلتی ہوئی پوری کا کلوزاپ Freeze ۔ اس کے اوپر ٹائٹیل superimpose)

پروڈیوسر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ڈائریکٹر ۔۔۔۔۔۔۔ رائٹر ۔۔۔۔۔۔۔۔

" بھگوان "

•••

دشت کربلا سے دور

" ڈاکٹر اکبر کا قتل ہوگیا ۔۔ آپ کے دھوکے میں کسی نے اکبر کو مار ڈالا ۔ "

یہ خبر مجھے دہلا گئی ۔۔۔ میرے دھوکے میں ۔۔۔ ؟ کسی نے چاقو میرے سینے میں گھونپ دیا ۔ اگر سندر لال جی نہ تھام لیتے تو میں نیچے گرجاتا ۔

" بھگوان نے آپکو بچالیا جی ۔ "

" موت آپ کے سر سے گزر گئی ۔ "

" ہاں ! اگر اکبر وہاں جانے کا فیصلہ نہ کرلیتا تو میری لاش پڑی ہوتی ۔ "

کسی کی موت اتنی خوشی دے سکتی ہے ۔ اس بات کی ندامت ، میرا سر جھکائے دے رہی تھی ۔ میں خوف کے مارے کانپنے لگا ۔ سمینار میں بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ کچھ میرے بچ جانے پر خوش تھے ۔ کچھ اکبر کے مارے جانے پر خوف زدہ تھے ۔

ابھی ۔۔۔ کچھ دیر پہلے وہ یہاں ڈائس پر کھڑا تھا ۔ ہنس مکھ ۔۔۔ ذہین ۔۔ تیز

رفتار اور جینئس نوجوان ... اسکی صاف گوئی اور ایمان داری اسے کسی ہاسپٹل میں ٹکنے نہیں دیتی تھی ۔ وہ اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے کسی دوسرے ہاسپٹل میں ڈھکیل دیا جاتا تھا ۔ اور مجھے اسی لیے وہ بہت عزیز تھا ۔ وہ میرا اسٹوڈنٹ رہا تھا ۔ بہت اچھا ڈاکٹر تھا ۔ میں نے اسے اپنے اسٹاف میں بھی رکھا تھا اور ہر سمینار میں ، ہر میٹنگ میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا ۔

اس سمینار میں ، جب ڈاکٹر آفتاب حسن اپنا پیپر پڑھ رہے تھے اور سامعین گہرے خراٹے لے رہے تھے تو بیرہ نے میرے پاس آکر چونکا دیا ۔

" سر ... ڈی ایس پی صاحب کا فون ہے آپ کے لیے ۔ وہ ریلیف دین بھیج رہے ہیں ، آپ کو ہاسپٹل بلایا ہے ۔ "

" مگر اس وقت سڑکوں پر اتنے دنگے ہو رہے ہیں ۔ میں کیسے جاؤنگا ؟ ڈی ایس پی صاحب سے کہدو ۔ میں یہاں سمینار میں پیپر پڑھ رہا ہوں ۔ "

اب تو سارے شہر میں بار بار دنگوں کی آگ بھڑک اٹھتی ہے ۔ اس لیے شہر کے اہم دانشوروں نے یہ سمینار کیا تھا ۔ ہر شہر کے ڈاکٹر ، پروفیسر ، آرٹسٹ اور سماجی ورکرز آئے تھے ۔ ڈاکٹر اکبر نے کمیونل ہارمنی سے متعلق ہونے والے اس سمینار کے لیے بڑی محنت کی تھی ۔ سارا انتظام اسی کا تھا ۔ اسٹیٹ گورنمنٹ نے ہمارا ساتھ دیا ۔ ہر شہر کی امن کمیٹیوں نے اپنے ڈیلی گیٹس بھیجے تھے اور پھر شملہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی مسز مہتا بھی آگئی تھیں ۔ مسز مہتا جب سمینار میں شریک ہوتیں تو پھر لوگ سمینار کا موضوع بھول جاتے ۔ کیونکہ ان کے چہرے کا ہر نقش ایک الگ موضوع بحث تھا ۔ جب کسی سمینار میں اتنے انٹلیکچوئیل لوگ اکٹھے ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ تو تو میں میں ، الزام تراشی اور طنز بھرے ریمارکس میں ، شرکت کرنے والے تو بھول ہی جاتے کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں ۔ لیکن کچھ جوشیلے ، ڈاکٹر اکبر جیسے نوجوان مقرر کی حیثیت کو نظر انداز کر کے بار بار ان کا موضوع یاد دلاتے تھے ۔

آج بھی اکبر نے ایک مولانا کی طویل بور کردینے والی تقریر کو روک دیا تھا۔

یہ مولانا ہر سمینار میں اپنے ایک ہی طویل مقالے کو پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ چاہے وہ سمینار کسی ادیب کے سوگ میں ہو یا قومی یک جہتی پر۔

مولانا نے قہر بھری نظروں سے اکبر کو دیکھا...

"میاں صاحب زادے ... ! پہلی بار کسی سمینار میں آئے ہو تو تھوڑی سی تہذیب بھی سیکھ کر آتے۔"

پھر انھوں نے اپنی شعلہ بیانی اتنے زور سے جاری رکھی کہ مائک کے بغیر بھی انکی آواز شہر کے ہر کونے تک پہنچ جائے۔

"حسین ابن علی، جب دشت کربلا میں یزید کی فوجوں سے تنہا لڑ رہے تھے تو وہ خدا کے محبوب کا چہیتا نواسہ، خلیفہ وقت کے آگے چٹان بن کر ڈٹا ہوا تھا... حسین پیاسے شہید ہوگئے۔ لیکن یزید رہتی دنیا تک جبر اور ظلم کی علامت بنارہے گا۔ اور ہم حسین کے لیے روتے رہیں گے۔"

"صرف آنسو بہانے سے کام نہیں چلے گا مولانا۔ قدم آگے بڑھایئے۔"

اس بار ہال میں بیٹھے ہوئے ہر شخص نے غصہ بھری نظروں سے اکبر کو دیکھا۔

"کون ہے یہ بد تمیز لڑکا...؟" ڈاکٹر آفتاب حسن نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے لکھنو کے پنڈت نریندر شرما سے پوچھا۔ :

"ڈاکٹر اکبر ہے۔ ڈاکٹر اطہر علی کا چمچہ۔ ہر سمینار میں اسے اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔"

"اکبر... بیٹھ جاؤ..." میں نے اسے اشارہ کیا۔ آج اسے کیا ہوگیا ہے۔ ہر مقرر کو ہوٹ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ آج کل کے لونڈے سمجھتے

ہیں کہ وہ کسی اہم شخصیت پر ریمارک کر کے سب کو اپنی جانب متوجہ کرلیں گے ۔

پھر جب وہ اپنا پیپر پڑھنے ڈائس پر آیا تو بڑے ادب سے جھک کر کہا ۔

" جناب صدر ! معزز سامعین !

میں پہلی بار آپ جیسے اہم دانشوروں کی محفل میں آیا ہوں ۔ اس لیے اپنا تھوڑا سا تعارف کروادوں ۔

سر ... میں دراصل وہ کمزور انسان ہوں ، جو حضرت امام حسین کے زمانے میں پیدا ہوا تھا مگر انکے ساتھ جانے والے جانثاروں میں شامل ہونے کی ہمت نہ کرسکا ۔ لیکن یزید اور حسین کے گزر جانے کے بعد میں نے ہمیشہ یزید پر لعنت بھیجی اور حسین کے نام پر جان دینے والوں پر فخر کرتا ہوں میں ۔"

" آپ اپنا پیپر شروع کیجیے ڈاکٹر صاحب ! " مولانا نے ہنس کر داد طلب نظروں سے چاروں طرف دیکھا ۔

" اور صرف دس منٹ میں اپنا پیپر ختم کیجیے ... " سمینار کے سکریٹری سریندر ریڈی نے خفا ہو کر کہا ۔

" ڈاکٹر اکبر ! پہلے اپنی بات پوری کیجیے ... " مسز مہتا نے کھڑے ہوکر کہا تو سب کو ان کی بات کی تائید کرنا پڑی ۔

اب مسز مہتا کی آواز نے سب کو جگا دیا تھا ۔ ڈاکٹر آفتاب حسن ، پٹنہ یونیورسٹی کے دلیپ رائے کو ایک بڑی رقم آفر کر رہے تھے ۔ کہ وہ انکی بیٹی کا تھیسس O. K. کروادیں ۔ رفعت عالم پروفیسر مشتاق احمد کو چپکے چپکے اپنی نئی نظم سنانے لگے ۔ ڈاکٹر کنور رائے بیرہ کو ڈانٹ رہے تھے کہ چائے کے ساتھ بسکٹ کیوں نہیں آئے ؟

اس لیے سوائے ہری پرشاد مصرا کے ، کوئی نہیں سن رہا تھا کہ مقرر کیا کہہ رہا ہے ۔ ہری پرشاد مصرا ہر سمینار میں مقرر کا ایک ایک لفظ بڑے غور

سے سنتے ہیں ۔ اپنی نوٹ بک میں نوٹس لیتے ہیں ۔ مقرر کے غلط حوالوں پر ٹوک دیتے ہیں ۔ بعض وقت تو ان کے سوالوں کی بوچھار سے خود مقرر بھی پریشان ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ عام طور پر سمیناروں میں شرکت سے چند گھنٹے پہلے جو نوٹس ادھر ادھر سے اکٹھے کیے جاتے ہیں ، وہ خود مقرر کی بھی سمجھ میں نہیں آتے ۔

" شکریہ ... میرے لیے دس منٹ بھی کافی ہیں ۔ "

اکبر نے اپنا پیپر کھولا تو ہال کے باہر پولیس کی سیٹیوں اور فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں ۔ سب گھبرا گئے ۔ شاید پھر دنگا شروع ہوگیا تھا ۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوگئے ۔ ادھر ادھر دیکھنے لگے ۔ مگر سمینار کے سکریٹری نے اطمینان دلایا کہ ہال کے سب دروازے بند ہیں اور گیٹ پر پولیس کا پہرہ ہے ۔ پھر بھی سب پریشان تھے کہ اب ہوٹل کیسے جائیں گے ...؟

میری بیوی بار بار منع کررہی تھی کہ شہر کی فضا خراب ہے ۔ آج سمینار میں مت جائیے ۔

مسز مہتا بھی بہت گھبرا رہی تھیں ۔

" آپ پریشان نہ ہوں ہم جو ہیں یہاں ۔ " مولانا ہاشمی نے ایسے جوش کے ساتھ کہا جیسے وہ مسز مہتا کے لیے جام شہادت نوش فرمانے کو تیار ہوں ۔

" میں نے تو جب سنا کہ آپ بھی اس سمینار میں آرہی ہیں تو آپ سے ملنے کے بہانے آگیا ۔ " ڈاکٹر دلیپ رائے نے اس وقت مسز مہتا کے بہت قریب ہو بیٹھنے میں کوئی ہرج نہ سمجھا ۔ پورے ہال میں افراتفری مچی ہوئی تھی ۔ ہر شخص گھبرایا ہوا تھا اور ہال سے باہر جانے کی بات سوچ رہا تھا کہ اکبر پھر مائیک سنبھال لیا ۔

" جناب والا ! یزید کے سپاہی نیچے سڑکوں تک آگئے ہیں ۔ غور کیجیے کہ وہ کتنے اصول پسند جاں نثار ہیں کہ آج تک اپنے مشن کی تکمیل میں لگے

ہوئے ہیں ۔"

" اکبر۔۔۔ ! اس وقت اپنی بکواس بند کرو اور اس سیشن کو ختم کرنے کا اعلان کردو ۔"

" سر ! کیا آپ ریلیف وین کے ساتھ جائیں گے ۔ آپ کے لیے ڈی ایس پی صاحب کا پھر فون آیا ہے ۔" بیرہ نے میرے پاس آکر کہا ۔

اکبر نے میرے غصہ کو نظر انداز کر کے پھر مائیک سنبھال لیا ۔

" خواتین و حضرات ۔۔ ! آج ہم سب قومی یک جہتی کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے ۔ لیکن ہال کے باہر اس مقصد کو ختم کرنے والے آگئے ہیں ۔ میرا خیال ہے ہم سب کو بھی اس ہال کے باہر نکل کر اس آگ کو بجھانے کے لیے کچھ کرنا چاہیے ۔"

اکبر کی بات کسی کو اچھی نہ لگی ۔

" بیٹے ۔۔۔ ! لگتا ہے ابھی کنوارے ہو ۔۔۔ مجھے تو ابھی دو بیٹیوں کی شادی کرنا ہے ۔"

آفتاب حسن نے ہنس کر اکبر سے کہا ۔

" اور اگر ہم آج مارے گئے تو کتنی عورتیں ودھوا ہونگی ۔ اس کا حساب کیلکولیٹر پر کرنا پڑیگا ۔"

دلیپ رائے کی اس بات پر سب ہنس پڑے تھے ۔

" ابھی لونڈا ہے ۔ کون سی بات کس موقع پر کس طرح کہنی چاہیے ۔ کچھ نہیں جانتا ۔" میں نے آہستہ سے پنڈت نریندر شرما سے کہا ۔

" ڈاکٹر اکبر ٹھیک کہہ رہے ہیں ۔" مسز مہتا نے کہا ۔۔ " ہم وائیولنس کے خلاف لڑائی کے پلان بناتے ہیں ۔ ہمیں ایکشن بھی لینا چاہیے ۔"

" جی ہاں ۔۔۔ بے شک ۔۔۔" سب کا مسز مہتا سے اتفاق کرنا ضروری تھا ۔ " ہم کسی طرح ہوٹل تو پہنچ جائیں ۔"

"ڈنر کے بعد ایک ایمرجنسی میٹنگ رکھنا چاہیے ۔"

"ذرا فضا ٹھیک ہوجائے تو ہم فرقہ پرستی کے خلاف ایک جلوس بھی نکالیں گے ۔"

سریندر کی اس تجویز پر سب سے زیادہ مولانا ہاشمی خوش ہوئے ۔ انھوں نے سوچا کہ اس جلوس کا جو فوٹو اخباروں میں چھپے گا ۔ اس میں وہ مسز مہتا کے قدم سے قدم ملاتے چل رہے ہونگے ۔ قومی اتحاد کی اس سے اچھی مثال اور کیا ہوسکتی ہے ۔

"لیکن سر ! اس وقت تو ان زخمیوں کے بارے میں سوچیے جنھیں فورا میڈیکل نہیں ملی تو ۔۔ ؟" اس نے پھر میری طرف دیکھا ۔

"اکبر مجھے کیا کرنا چاہیے یہ میں خود جانتا ہوں ۔" میں نے اکبر کو ڈانٹ دیا ۔ یہ چھوکرا بہت بکواس کرنے لگا ہے ۔ اب اسے کسی سمینار میں اپنے ساتھ نہیں لے جاونگا ۔

"اچھا ۔۔ تو میں ریلیف وین میں چلا جاتا ہوں ۔" وہ تیزی سے ڈائس کی سیڑھیاں اتر کے دروازے کی طرف بھاگا ۔

ہال میں کھڑے ہوئے کسی بھی شخص کو اکبر کی یہ گستاخی اچھی نہ لگی ۔ لیکن میں خوش ہوگیا ۔ اب ڈی ایس پی کو فون کردونگا کہ میں سمینار میں مصروف تھا اس لیے اپنے اسسٹنٹ کو ہاسپٹل بھیج دیا ہے ۔

لیکن وہاں مارنے والے میرے تاک میں بیٹھے تھے ۔ انھوں نے ڈی ایس پی کی آواز بنا کر مجھے وہاں بلایا تھا ۔ جب اکبر زخمی کو دیکھنے جھکا تو انھوں نے چاقو اکبر کے دل میں اتار دیا ۔

بیرہ نے ہال میں آکر اکبر کے قتل کی خبر سنائی تو سب نے دم سادھ لیا ۔ سب پر جیسے بجلی گر پڑی

"آپ کے دھوکے میں ڈاکٹر اکبر کو قتل کردیا ۔"

میرے دھوکے میں ... وہ خنجر میرے دل کے پار ہوگیا۔ میں نیچے کی طرف جھک گیا۔ اگر ہری پرشاد مصرا مجھے نہ تھام لیتے تو میں زمین پر گر پڑتا۔

"بھگوان نے آپ کو بچالیا جی"

"موت آپ کے سر سے گزر گئی۔ ورنہ ڈی ایس پی کے اتنے فون آنے پر بھی نہ جاتے۔ ڈاکٹر آفتاب حسن نے اپنے بریف کیس سے نکال کر مجھے ویلیئم کھلا دی۔

"نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ جھوٹ ہے۔ ابھی وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔" مسز مہتا زور زور سے رونے لگیں۔

"ہاں ... وہ نہیں مر سکتا ..." ہم سب بھی رو رہے تھے۔

جب میں اسے سمینار کے لیے ساتھ لینے اسکے گھر گیا تو اس کی بیوی گیٹ تک آئی تھی۔ ایک خوبصورت سی لڑکی۔ ایک ننھے بچے کو گود میں لیے۔ اکبر نے کار میں بیٹھنے سے پہلے بچے کو کتنا پیار کیا تھا۔۔ اس نے لو میرج کی تھی۔ اس کا پروموشن ہونے والا تھا۔ اسے امریکہ میں ریسرچ کے لیے ایک اسکالر شپ ملا تھا۔ زندگی میں کتنی کشش تھی اس کے لیے ... اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کودنے کا فیصلہ اس نے ایک منٹ میں کیسے کرلیا ..؟ مسز مہتا روتے روتے بے حال ہوئی جارہی تھیں۔

"ارے میاں نفرت کی اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کوئی پل بھر میں کرتا ہے ..؟"

"ذرا تو سوچا ہوتا اس وقت وہاں جانے کا کیا فائدہ ہے ..؟"

فائدہ ... یہی وہ لفظ ہے جو انسان کو بے شمار فیصلے کرنے سے روک دیتا ہے۔ ہم سب چپ تھے۔ سارے دانشور، ڈاکٹر، پروفیسر، جو سیاست اور تہذیب کے ہر اتار چڑھاؤ سے واقف تھے اور سیاسی بازیگروں کی ہر چال سمجھ چکے تھے۔ ہم سب کے سر جھک گئے تھے۔ جیسے وہ کل کا چھوکرا ہم سب کو

نیچا دکھا گیا تھا ۔

جب میں اکبر کی عمر کا تھا تو میرے سر میں بھی قوم پرستی کا سودا سما گیا تھا ۔ نہرو کی کئی تقریریں اور اقبال کی نظمیں سن سن کر جی چاہتا تھا کانگریس کا ممبر بن جاؤں ۔ گاندھی جی کے آشرم میں جا بیٹھوں ۔ بھگت سنگھ میرا ہیرو تھا ۔ مگر ابا نے طے کر لیا تھا کہ میں ڈاکٹر بن جاؤں ۔ انھوں نے انگلینڈ بھجوادیا ۔ ڈاکٹر تو بن گیا ۔ مگر قرآن کی آیتیں ، گیتا کے اشلوک ، مہاتما بدھ کی تعلیم اور اقبال کی شاعری نے میرا پیچھا نہ چھوڑا ۔ علم و ادب کی پیاس نے مجھے کچھ اوندھا سیدھا لکھنا سکھادیا ۔ اس لیے میں اب شہر کی ہر ادبی ، تہذیبی اور سیاسی محفل کا مہمان خصوصی بنا یا جاتا تھا ۔ قومی یکجہتی اور سماجی والنٹری آرگنائزیشن کمیٹیوں کا چیئرمین تھا ۔ دونوں بیٹے امریکہ دولت کمانے چلے گئے تھے ۔ بیٹی جدہ میں ٹھاٹ کر رہی تھی ۔ میری بیوی جوبلی ہلز کے اونچے مکان کی بالکنی سے نیچے دیکھتی ہے تو سارا شہر اس کے قدموں تلے بچھا ہوا نظر آتا ہے ۔

جب انسان اتنی اونچی جگہ جا پہنچے تو مصلحتیں اور اندیشے اسے تھامے رہتے ہیں ۔ اب میں ایک سیڑھی پر پاؤں جما رہا تھا ۔ ایک سیاسی پارٹی نے مجھے الکشن کا ٹکٹ دیدیا تھا ۔ میری جیت یقینی تھی ۔ اور اسی لیے مخالف پارٹیوں نے میرے قتل کا منصوبہ بنایا تھا ۔

" ساتھیو ..... اس سمینار میں شرکت کرنے والے ڈاکٹر اکبر علی کی اچانک موت پر ہماری یہ سبھا اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتی ہے ۔ اب ہم اپنے اس ساتھی کے قتل پر دو منٹ کی خاموشی منائیں گے اور بھگوان سے پرارتھنا کرینگے کہ وہ ان کی آتما کو شانتی دے ۔ "

" نہیں ۔ اب ہم سر جھکا کر خاموش نہیں کھڑے ہونگے ۔ " اچانک مسز مہتا نے چلا کر کہا ۔

" نہیں سر نہیں جھکانا ہے ۔ ہمیں سر اٹھا کر اکبر کے قاتلوں کو ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلنا ہے ۔ "

" اس وقت ۔۔۔ ؟ ابھی تو فضا بہت خراب ہے ۔ دلیپ رائے نے کہا ۔

" ہاں اکبر کے سینے پر چاقو ماردیا غنڈوں نے ۔ " ڈاکٹر آفتاب حسن بھی گھبرا گئے ۔

" آپ مت گھبرائیے ڈاکٹر صاحب ۔ " مسز مہتا نے انھیں اطمینان دلایا ۔ " خنجر اکبر کے سینے میں اتر جاتا ہے ۔ مگر ہم سب تو بلٹ پروف جیکٹ پہنے رہتے ہیں ۔ ہمارے دل پر کبھی کوئی چوٹ نہیں لگے گی ۔ "

سب چپ ہو گئے تھے ۔

" ڈاکٹر اکبر کی لاش پرجا شانتی سمیتی والے اٹھا کر لے گئے ۔ " ایک بیرہ باہر سے خبر لایا ۔

" وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ لاش آپ کی ۔ "

" میری لاش ۔۔۔ ؟ " میں پھر صوفے پر بیٹھ گیا ۔ "

" وہ لوگ نعرے لگا رہے تھے ۔ ڈاکٹر اطہر علی امر رہے ۔ خون کا بدلہ لے کر رہیں گے ۔ "

" مگر پرجا سمیتی والے لاش کیوں لے گئے ؟ کیا انھیں نہیں معلوم ہے کہ ڈاکٹر اطہر علی مسلمان ہیں ؟ "

" ہندو مرے یا مسلمان ، اس بستی کی لاشوں کا ٹھیکہ ان لوگوں نے لیا ہے نا ۔ "

ہوٹل کا بوڑھا چوکیدار کہہ رہا تھا ۔

" کیا ؟ لاشوں کا ٹھیکہ ۔۔۔ ؟ "

" ہٰو صاحب ۔ وہی لوگ مارتے ہیں ۔ وہی لوگ اب خوب ہنگامہ کرینگے

صاحب ۔ بہت بڑے آدمی تھے ۔ اس لیے وہ لوگ کل شہر میں بند منائیں گے ۔ ارتھی کا جلوس نکالیں گے ۔ گھروں اور دکانوں کو آگ لگائیں گے ۔ جن دوکانوں کو نہیں جلانا ہے ان سے بھی پیسے وصول کرتے ہیں ۔"

سب منھ کھولے تعجب سے چوکیدار کی بات سن رہے تھے ۔

" جب بھی دنگے ہوتے ہیں تو سڑکوں سے لاشیں اٹھا کر یہ لوگ خوب پیسہ کماتے ہیں ۔"

" اب تھوڑے دنوں کے بعد آپ سب کو اسی ہال میں بلا کر وہ اکبر صاحب کی یاد میں سمینار کرینگے ۔"

سب بیرے مل کر ہم پر ہنس رہے تھے ۔

" سر ۔۔ آپ سے ملنے کے لیے کچھ لوگ آئے ہیں ۔" بیرہ نے میرے پاس آکر آہستہ سے کہا ۔ شاید پریس والے ہونگے ۔ اکبر کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ۔ مگر اس وقت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکونگا ۔

میں ہال کے باہر گیا ۔ تین چار آدمی کھڑے تھے ۔ پریس والے نہیں کسی منسٹر کے پی ۔ اے لگ رہے تھے ۔ انھوں نے اشارے سے مجھے قریب بلایا اور آہستہ سے کہا ۔

" سر ۔۔ آپ کے دھوکے میں ڈاکٹر اکبر مارا گیا ہے ۔ لیکن ہم آج نیوز میں آپ کا نام دے رہے ہیں ۔"

" میرا نام ۔۔۔ ؟ "

" آپ ایک پبلک فیگر ہیں ۔ اس لیے جس پارٹی نے آپ کو مارا ہے ہم آج اس سے لاکھوں روپے وصول کرلیں گے ۔ بعد میں آپ اعلان کردینا کہ یہ خبر غلط تھی ۔۔۔ " وہ بڑی زور سے ہنسا اور میری طرف ہاتھ ملانے کے لیے بڑھا ۔

" کیا بکواس کر رہے ہو ؟ ۔۔ کتنی غلط بات ہوگی ! " مجھے غصہ آگیا ۔

" ارے صاحب ! یہ بہت اچھی بات ہوگی ۔ آپ کی خوب پبلیسٹی ہوجائے گی ۔ میڈیا میں آپ کا نام آجائے گا ۔ ویسے بھی آپ ہٹ لسٹ میں ہیں ۔ "

" کیا ... ؟ " میں نے گھبرا کے ان سب کو دیکھا ۔

" ایک بات اور سنیے ڈاکٹر صاحب " ایک آدمی نے میرے قریب ہو کر کہا ۔

" ہم جو کچھ کمائیں گے اس میں آپ کا حصہ بھی ہو گا ۔ "

" میرا حصہ ... ؟ " میں نے تعجب سے کہا ۔

" تو اسی لیے ڈاکٹر اکبر کو تم نے مار ڈالا ... ؟ "

" ارے چھوڑو صاحب اس کی بات ۔ روز جانے کتنے اکبر سڑکوں پر مرتے ہیں ۔ "

میں نے بہت دور دیکھا ... یزید کے سپاہی ، فاطمہ کے لال کو گھیرے کھڑے تھے ... اور دشت کربلا مجھ سے بہت دور تھا .....

•••

SPECIMEN BOX

چراغ بجھ جاتا ہے ۔ مگر صبح تو کر جاتا ہے
عیان مجھے کسی بھی موڑ پر لے جاکر چھوڑ دے ...
مگر میری گود میں میرا بچہ ہوگا ...
ماں بننے کی خبر سن کر ناہید اپنا ہر دکھ بھول چکی تھی ۔
اب آگے کتنے کام کرنا تھے ...
عیان پالیٹکس میں جارہا ہے ۔ الیکشن کے لیے کام کرنا ہے ۔ استری سبھا کے لیے ... اونہہ ... الیکشن میں عیان جیتے یا ہارے ۔ اب تو اس کائنات کو بنانے بگاڑنے میں خدا کے ساتھ ساتھ میں بھی شریک ہوجاؤں گی ۔
یہ پرانی باتیں اسے اس وقت یاد آرہی تھیں ۔ جب وہ ہیلتھ سنٹر کے ساتھ ساتھ ایک میٹرنٹی ہوم کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی ۔
اب وہ منتری جی کی پرسنل سکریٹری تھی ۔
" آپ مجھے سوشل ویلفیر ڈپارٹمنٹ میں کوئی پوسٹ دیدیجیے منتری جی ۔ میں عورت کو جینے کا حق دلانا چاہتی ہوں ۔ یہ میری زندگی کا آدرش ہے ۔ "

" سب ہوجائے گا ناہید بیگم ۔ دھیرج سے کام لو ... "

" آج ہم بہت پریشاں ہیں ۔ " منتری جی نے ناہید کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا ۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولے ۔

" چیف منسٹر نے دس لاکھ روپے بھجوائے تھے ۔ راتوں رات پل توڑنے کے لیے ۔ انھیں کل اسمبلی میں بیان دینا ہے کہ یہ پل مخالف پارٹی کے غنڈوں نے توڑا ہے ... " منتری جی سرگوشی کرنے کے بہانے ناہید پر جھک گئے تھے ۔ سیڑھیاں چڑھنے سے ان کی سانس پھول رہی تھی ۔ بار بار ناہید کو ان کا بھاری بدن سنبھالنا پڑرہا تھا ۔

" میں ابھی پتہ کرتی ہوں سر ... ابھی سیل پر بات کروں گی ۔ "

" نانا ... یہاں سے نہیں ... بعد میں .. "

ابھی منتری جی کو اس نرسنگ ہوم کے ایک ریسرچ سنٹر کا افتتاح کرنا تھا وہاں دوسرے منسٹر بھی آئے تھے ۔ ناہید جیسی خوبصورت عورت کو اس منتری نے اپنی پی ۔ اے بنایا ہے ۔

وہ سب ناہید کو تکے جارہے تھے ۔

" ہیلو ... کیسے مزاج ہیں مہاراج ... ؟ " منتری جی کا دوست آگے بڑھا ۔ " یہ آپ کی پی ۔ اے ہیں ؟ "

منتری جی کھل اٹھے ...

ہا ہا ہا ... آج تو ناہید خان کو چیف منسٹر نے بھی اپنی پارٹی میں بلایا ہے ۔

ناہید مسکرا کے بڑے ناز سے اپنی ساری کا پلو سنبھالنے لگی ۔

" یہ ہماری ریسرچ لیب ہے " ایک ڈاکٹر منتری جی کو بتارہی تھی ۔

سامنے بہت سے SPECIMEN BOX شیلف میں رکھے تھے ۔ ان میں چند ادھورے ، نامکمل بچے سکڑے سمٹے ، آنکھیں بند کیے سو رہے تھے ۔ یہ بچے

کبھی میچور نہیں ہوں گے ۔

" ہیلو ممی ... ہاو آر یو ... ؟ "

ناہید نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا ... ڈر کے مارے دیوار کو تھام لیا (یہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا جس سے وہ ڈرتی)

یہ کس کی آواز تھی ... ؟ ناہید نے شیلف میں بند بچوں کی طرف دیکھا .... وہ تھی .... ؟ یہ تو وہی تھی .... آنکھیں کھولے ناہید کو گھور رہی تھی ....

" ہیلو ممی .... ہاو آر یو ... "

ناہید کو جیسے چکر آگیا .... وہ لڑکھڑا کے دیوار کو تھامنے بڑھی ۔ مگر اس کے آس پاس بہت سے ہاتھ اسے تھامنے کو آگے بڑھ گئے تھے ۔

" میڈم کو چکر آگیا ہے ... آپ یہاں بیٹھ جائیے ۔ "

اس نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا ۔

وہ بچپن سے گڑیا کو سینے سے لگاکر اس کے خواب دیکھا کرتی تھی ۔ وہ ہمیشہ خوشبو کی طرح اس کے چاروں طرف دوڑتی ... شادی کی پہلی رات ایک ہی سپنا دیکھا تھا ...

اور جب اس نے عیان کو یہ خوش خبری سنائی تھی تو انھوں نے سب سے پہلے ایک ہی بات کہی تھی ۔

" مگر ہمیں لڑکا چاہیے ... پہلے الٹرا ساونڈ کروالو .... "

اور پھر الٹرا ساونڈ کی آنکھ نے اسے ڈھونڈ نکالا ۔ جو ناہید کی کوکھ میں چھپی بیٹھی تھی ۔

چل بھاگ ... فساد کی جڑ ...

" لڑکی ہے ... " عیان نے الٹرا ساونڈ کی رپورٹ غصے میں پٹک دی تھی ۔

" سوچ لو ناہید ... تم پالٹیکس میں جانا چاہتی ہو ... میں الیکشن میں ٹکٹ لینے کی بھاگ دوڑ کر رہا ہوں ... ہم اسے کیسے پالیں گے ... ؟ "

اس نے جلتا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل ڈالا تھا ۔

کباڑیا گلی میں چلا رہا تھا ۔

" سنو ... آج گھر کی سب بیکار چیزیں کباڑیے کو دیدو ۔ "

" بیکار چیزیں ... ؟ "

" ہاں جس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے ۔ "

عیان بریف کیس اٹھاکر باہر جانے لگا ۔

دن میں سو سو بار وہ مجھے مرنے کی سزائیں دیتا ہے ...

ناہید پلو سے اپنے آنسو پونچھنے لگی ۔

پھر جب اسے ہوش آیا تو لیبر روم میں میڈیکل اسٹوڈنٹس سے گھیرے کھڑی تھیں ۔ ناہید نے جھک کر دیکھا ... خون میں ڈوبی ، وہ بیسن میں پڑی ہوئی تھی ... اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے ... منہ بند تھا ... آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ۔

اسے جو دیکھتا ، وہ اسی کو گھورنے لگتی تھی ...

" اب ہم اسے ایک SPECIMEN BOX میں ڈال کر ریسرچ لیب کو بھیج دیں گے ۔ "

ڈاکٹر اپنے اسٹوڈنٹس سے کہہ رہی تھی ۔

" کیوں ڈاکٹر ... اسے ریسرچ لیب کیوں بھیج رہے ہیں ؟ "

ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا ...

" صرف چار مہینے کی پریگنینسی (pregnancy) میں وہ پوری طرح ڈیولپ ہوچکی ہے ۔ اس لیے وہ ایک ریسرچ کا ٹاپک بن سکتی ہے ۔ "

ڈاکٹر اپنے اسٹوڈنٹس کو سمجھانے لگی ۔

" اونہہ ... وہ بھی کوئی مرد ہے کہ سب کو فکر ہو کہ وہ بھگوان بنے گی یا شیطان ؟ عورت تو بس عورت ہی رہتی ہے ۔

" ہاں یار ... وقت سے پہلے آنکھیں کھول کر دنیا کو دیکھنے والی عورت کو تو ہمیشہ کے لیے SPECIMEN BOX ہی میں بند رکھنا چاہیے ۔ "

ایک میڈیکل کالج کا اسٹوڈنٹ لڑکا ہنستے ہوئے بولا ۔

" اس سے کیا ہوگا ... ؟ " ایک لڑکی نے پوچھا ۔

" مذہب ، قانون اور دنیا کے مردوں کو سکون ملے گا ... "

اس لڑکے کی باتوں پر سب زور زور سے ہنسنے لگے ۔

" شی ! .... خاموش رہو ! لیبر روم میں کتنا شور کر رہے ہو تم سب ۔

ڈاکٹر نے سب کو ڈانٹ دیا ۔

" پہلے اپنے ہاتھ دھولیجیے ڈاکٹر " ایک لڑکی ڈاکٹر سے کہہ رہی تھی ۔

" ورنہ اس لڑکی کا خون آپ کے ہاتھوں پر داغ بن کر جم جائے گا ۔ "

ایک اسٹوڈنٹ لڑکی ڈاکٹر سے کہہ رہی تھی ۔

" دیکھو شیلا دیوی ... " ایک سانولی سی لڑکی اپنی سہیلی سے بولی ۔

" خدا سے لے کر شیطان تک .. سب اسی پر نظر رکھتے ہیں ۔ "

" اس لڑکی کو ریسرچ لیب کیوں بھیج رہے ہیں ۔ " ایک لڑکا پوچھ رہا تھا ۔

" ماں کے پیٹ سے نکالی ہوئی لڑکیوں کو تو کوڑے میں پھینک دیتے ہیں ۔ "

(وہ سب آپس میں باتیں کر رہے ہیں ۔ کاپیاں کھولے نوٹس لے رہے ہیں)

" یہ تم کیسے کہہ رہے ہو رشید ... ؟ "

" اچھا تو کیا انھیں چتا میں جلانے کے لیے ہاسپٹل میں ایندھن منگوایا جاتا ہے ؟ " اس لڑکے نے مسکرا کے پوچھا ۔

" نہیں ... عورت کو جلانے کے لیے ایندھن کی ضرورت نہیں پڑتی ہے مسٹر راج کمار ... " ایک گوری سی تیز مزاج لڑکی اپنے ساتھی لڑکے سے کہہ رہی تھی۔

" چندن کی لکڑی اور نوجوان پتنی کا ایندھن ڈال کر تو مرد کی چتا جلائی جاتی ہے۔ "

ناہید نے درد سے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول کر دیکھا ... وہ شیلا گوکھلے تھی۔ پروفیسر گوکھلے کی بیٹی ...

(خون بھرے بیبن میں پڑی وہ سب کو گھورے جارہی تھی)

" میڈم ... ! آپ کے کتنے بچے ہیں ... ؟ " ایک لڑکی اپنی کاپی کھول کر ناہید کے پاس آگئی

" کوئی نہیں ہے۔ " کڑوے سے دکھ کو نگل کر کہا۔

" تو پھر آپ نے اپنی لڑکی کو وقت سے پہلے ... "

" ہم دونوں ملک اور قوم کے لیے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں ... "

عیان نے آگے بڑھ کر اس لڑکی سے کہا

" میری بیوی ایک مہیلا سبھا میں کام کرتی ہے۔ وہاں عورت کے حقوق کے لیے ایک اندولن چلارہی ہے۔ "

" اچھا ... تو اس کے لیے آپ کیا کام کررہی ہیں میڈم ... ؟ "

" الیکشن آرہے ہیں ... اب دیکھیے ... انھیں جانے کیا کیا کرنا ہوگا "

عیان نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا تھا۔

(اگر میں اب سیاست میں شامل ہونے سے بچ گئی تو اپنے آپ سے بچ کر کہاں جاؤں گی ... ؟ آنسو روکنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

اس دن، الیکشن کی میٹنگ کے بعد سب لوگ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے میں آئے تھے تو عیان کو ایک ضروری کام یاد آگیا اور وہ ناہید کو چھوڑ کر چلے گئے۔

سامنے ایک بہت بڑا آئینہ تھا۔
ناہید نے پہلی بار اپنے آپ کو سر سے پیر تک دیکھا تو ہنس پڑی ...
(ہاسپٹل سے آنے کے بعد اسے پہلی بار ہنسی آئی تھی)
(تم کتنی اچھی ہو ... بالکل ادھوری ڈکشت جیسی ...
آج وہ بار بار اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔
ناہید خان ! تم تو کسی منسٹر کی بیگم نظر آرہی ہو۔
پھر دو کالے ہاتھوں نے اسے پکڑلیا ...
" عیان ... ؟ "
اس نے پلٹ کر دیکھا ...
" منتری جی ! آپ ؟ "
منتری جی کی ہوس بھری آنکھوں کو دیکھ کر وہ دروازے کی طرف بھاگی مگر دروازے میں عیان نے اس کا راستہ روک دیا۔
عیان کے ہاتھ میں ایک فائیل تھی .. وہ بہت خوش تھے ۔ اور جس طرح ہاتھ اونچا کر کے فائیل دکھا رہے تھے ۔ اسے دیکھ کر وہ منتری جی کی بانہوں میں گر گئی ....
کتنی راتیں بیت گئیں ... وہ اسے ہر پل یاد کرتی تھی۔
اچھا ہوا ... چیف منسٹر کی کاک ٹیل پارٹی میں اسے شراب سرو کرنا نہیں پڑی ... وہ ہر خطرے سے دور چلی گئی ...
سارے موسم اسے چھوئے بغیر گزر گئے ... دن کیسے نکلتا ہے ۔ رات عورت پر کتنے عذاب لاتی ہے ... وہ کچھ نہ جانے گی ... اب اسے راہ راست پر لانے کے لیے کسی خدا کی ضرورت پڑے گی نہ شوہر کی ...
ہر رات وہ ناہید کے ساتھ ہوتی تھی ... چاند کی طرح ... پاس پاس ...
دور دور ...

"ہیلو ممی ... ہاو آر یو ... ؟"

"میڈم جی ... اب جلدی اٹھیے ... چیف منسٹر کی پارٹی میں جانے کا وقت ہوگیا۔"

"کیا میں بھی اندر آجاؤں .... ؟"

وہ للچائی ہوئی نظروں سے SPECIMEN BOX کو دیکھنے لگی ...

•••

ملزم

"ملزم "...... !

"کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ تم ایک بے حیا، بے شرم انسان ہو ۔ تم سڑکوں پر ایسے پھٹے ہوئے کپڑے پہنے پھرتے ہو، جس میں تمہارا بدن نہیں چھپتا ۔ تم اپنے ننگے بدن کی نمائش کرنے گرلز کالج کے سامنے بیٹھے رہتے ہو ۔ تمہیں دیکھ کر کالج کی لڑکیاں شرم سے منہ چھپالیتی ہیں ۔

" تم نے اپاہج ہونے کا بہانہ کر کے اپنے کنبے کی ذمہ داری چھوڑ رکھی ہے ۔

" تم نے اپنے بچے کے ہاتھ سے روٹی چھین کر اسے دھکیل دیا تھا !

" تم ایک پیشہ ور قاتل ہو ۔

" تم نے اب تک چار قتل کیے ہیں ۔

" ایک سیاسی لیڈر کو اس لیے مارڈالا تھا کہ اس نے اپنا کام تم سے کرواکے صرف سو روپے کا نوٹ دینا چاہاتھا ۔

" تم نے ایک حلوائی کا قتل اس لیے کیا تھا کہ وہ سڑجانے والی

مٹھائیاں کوڑے میں پھینک رہا تھا۔

" تم نے ایک پجاری کو اس لیے مار ڈالا تھا کہ تمہارا نام عبدالخالق ہے اور اس نے تمہیں مندر کا پرساد دینے سے انکار کر دیا تھا۔

" تم نے ایک منسٹر کا قتل اس لیے کیا تھا کہ منسٹر بننے کے بعد اس نے بھیک مانگنے کو جرم قرار دیا تھا۔

" تم ایک ڈھونگ رچانے والے بہروپیے ہو۔

" تمہیں جو سیاسی پارٹی اپنے ساتھ لے جائے تم اس کے ساتھ چلے جاتے ہو۔

" تمہارا کوئی مذہب نہیں ہے۔ تمہارا نام عبدالخالق ہے، لیکن تم کبھی مسجد نہیں گئے۔

" تم دھوکے باز ہو۔ جب کوئی تمہیں بھیک دیتا ہے تو تم ان پیسوں پر تھوک کر واپس کر دیتے ہو۔

" تم کپڑوں کی ایک شان دار دوکان کے سامنے بیٹھے رہتے ہو۔ تمہارے بدن کی گندگی اور وحشت ناک صورت دیکھ کر دوکان میں آنے والے کسٹمرس لوٹ جاتے ہیں۔ کئی بار تمہیں وہاں سے اٹھایا گیا۔ مگر تم باز نہیں آتے۔

" تم انسان نہیں، کتے ہو۔ سڑکوں کے آوارہ کتوں کے ساتھ کچرے کے ڈھیر میں چھپی ہوئی ہڈیاں اور غلاظت بھرے کاغذ چباتے ہو۔

" تم کتوں کے بچوں کے ساتھ فٹ پاتھ پر سوتے ہو۔

" بولو..... جواب دو نا !

" چپ رہنے کا فن خوب سیکھا ہے تم نے .... !

" تم نے چیف منسٹر کی کار پر پتھر پھینکا، جس سے ان کا ڈرائیور زخمی ہو گیا۔

" تم سڑکوں پر پرائم منسٹر اور پریزیڈنٹ کو گالیاں دیتے ہو۔

" تم اپنے آپ کو پریزیڈنٹ سے بھی بڑا آدمی سمجھتے ہو۔

" کیا تم نہیں جانتے کہ ملک کے صدر سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ایک حماقت ہے ...... !

" تم ایک مداری کی طرح بازار میں جہاں بیٹھتے ہو، اپنے آس پاس بھیڑ جمع کر لیتے ہو۔

" تمہاری بیوی بچے تمہیں پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔

" ڈاکٹر کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم پاگل نہیں ہو۔ اس لیے تمہیں کسی ہاسپٹل میں نہیں رکھا جاسکتا۔

" تم بھکاری نہیں ہو۔ اس لیے کوئی دھرم سالہ، کوئی ہوم تمہیں رکھنے کو تیار نہیں۔

" تم پاگل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہو، آسمان پر پتھر پھینکتے ہو اور کہتے ہو ہر دکھ اوپر سے آتا ہے۔

" کیا تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو.......؟

" یاد رکھو کہ جج صاحب کے سامنے تمہیں اقرار کرنا ہو گا کے سچ کے سوا تم کچھ نہ کہو گے۔

" کیا تم نیک چلن بھکاریوں کی طرح بھیک نہیں مانگ سکتے تھے ....؟

" اتنے قتل کر سکتے ہو، مگر دو گز کپڑا کہیں سے چرا کے اپنا تن نہیں ڈھانک سکتے تھے ؟

" جواب دو...... !

" تمہاری خاموشی تمہارا جرم ثابت کر رہی ہے۔

" می لارڈ .... ملزم کا ندامت سے جھکا ہوا سر .... اور اس کی خاموشی .... اس بات کا ثبوت ہے کہ ملزم اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔

" می لارڈ! اس کیس کے ختم ہونے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ "

" تم کون ہو ... ؟ کس کے وکیل ہو ... ؟

" میں قانون، مذہب، تہذیب، سماج، سب کی وکالت کر رہا ہوں۔ می لارڈ ! میں چاہتا ہوں کہ اس مجرم کو ایسی کوئی سزا نہ دی جائے کہ یہ ختم ہو جائے ... اگر یہ ختم ہو گیا تو دنیا کا ہر مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ ہم بھیک کسے دیں گے ؟ رحم کس پر کریں گے ؟ خدا کے خوف سے ڈرنے والے کہاں سے لائیں گے ؟ اگر آج اسے پھانسی دے دی گئی تو سپریم کورٹ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

" می لارڈ ! مجھے یہ بات کہنے کی اجازت دیجیے کہ مجرم کا وجود ہماری بقا کے لیے ضروری ہے .....

" اس کے لیے عمر قید کی سزا ہی مناسب ہے۔ "

...

مجھے توڑ دو

" اب آپ کے دل کا اور کوئی علاج نہیں ہوسکتا ۔ اسے بدلنا ہی پڑیگا ۔"

ایک دن میرے ڈاکٹروں کی ٹیم نے اعلان کردیا ۔

وہ سب بے حد گھبرائے ہوئے تھے ۔ انجیو پلاسٹی ۔ بائی پاس سرجری ۔ اوپن ہارٹ آپریشن ..... میں ان تمام مرحلوں سے گزر چکا تھا ۔ اسی لیے میرا دل ڈاکٹروں کے لیے ایک ریسرچ تھیسس بن گیا تھا ۔

" اب تم میرے لیے ایک دل خرید لو ڈاکٹر ۔ مگر کسی نوجوان کا ہونا چاہیے ۔"

میں نے یوں مسکرا کے کہا جیسے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بیٹھا روسٹ چکن کا آرڈر دے رہا ہوں ۔

میرے ڈاکٹروں کی ٹیم میرے دل پر میڈیکل سائنس کے نئے نئے تجربے کر کے اسے چالو رکھے ہوئے تھی ... پھر ڈاکٹر مائیکل ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہتے ۔

" ریڈی صاحب ! میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ شراب اور عورت کو ہاتھ نہیں لگائیں گے ۔ "

" ارے تو پھر ہم جی کر کیا کریں گے ... ؟ "

ڈاکٹر بھی میری باتوں پر ہنس دیتا تھا ۔

" اب تم کام کی بات کرو ڈاکٹر ۔ "

میں نے بڑے اطمینان سے کہا کیوں کہ میں اپنی زندگی خریدنے کی قیمت اپنی جیب میں رکھتا ہوں ۔

آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل سیاسی لیڈروں کے بعد سب سے گرم بازار ڈاکٹروں کا ہے ۔ فائیو اسٹار ہوٹل جیسے عالیشان ہاسپٹل اور وہاں انسان کا ہر جوڑ فٹ کرنے والے ڈاکٹر ، ہاتھوں میں نٹ بولٹ تھامے صدائیں لگا رہے ہیں ۔ " آئیے مہربان ..... آپ کو دل چاہیے یا گردہ ؟ آنکھیں چاہییں یا خون ... ؟ ہمارے ہاں ہر چیز بکتی ہے ۔ اگر آپ کی جیب میں پیسہ ہے تو جتنی زندگی چاہیں ، آپ خرید سکتے ہیں اور جب ڈاکٹروں کو منہ مانگی رقم مل جائے تو ان میں بڑی پھرتی آجاتی ہے ۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس ہاسپٹل کے اسٹاف کا ہر ممبر مجھے دیکھ کر مسکرانے لگتا ہے ۔ ان کی یہ میٹھی مسکراہٹ لاکھوں روپے کی شکر گھولنے کے بعد آتی ہے ۔ یہ میرا تجربہ ہے اور یہ تجربہ مجھے یوں ہی نہیں ملا ہے ۔

دولت سات پشتوں سے ہم پر مہربان رہی ہے ۔ شاید میرے کسی لکڑدادا نے ایک جادو کا اسم سیکھ لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چھوتا وہ سونا بن جاتی ۔ میری پیدائش پر میرے باپ نے بڑی خوشیاں منائیں ۔ جادوگر نے اسے جتا دیا تھا کہ کبھی اپنی اولاد کو پیار مت کرنا ۔ مگر وہ نہ مانا ۔ اس نے مجھے چوم لیا ..... اور پھر ... میں سونا بن گیا ... میرے دھات کے دل میں محبت رہی نہ رحم ... میں نے اپنی راہ کے تمام پتھروں کو ٹھوکروں سے اڑا دیا ... میرا

احمق باپ بھی ایک دھکے میں دور جا گرا۔

ایک دن ادھر ادھر گھومنے والی کرسی پر بیٹھا وہ سٹے کا بھاؤ سن رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے وار کیا اور وہ ہر داو ہار گیا... بے وقوف بڈھا... کسی سمجھوتے پر راضی نہ تھا... روپے گن گن کر دیتا تھا... تجوری کی چابی اپنی کمر سے باندھے رکھتا تھا... اور میرے پیچھے جاسوس لگا رکھے تھے۔

مگر پتا جی کی گدی پر بیٹھنے کے بعد میں گھبرا گیا.....

میرے سامنے تین جوان بیٹے کھڑے تھے...

یہ سالے جانے کب اتنے بڑے ہوگئے کہ مجھے گردن اٹھا کر انھیں دیکھنا پڑتا تھا۔

میں خوف سے کانپنے لگا۔

تب میں نے سوچ لیا کہ امریکہ کی رنگین دنیا کے خواب دکھا کر انھیں کہیں دور بھیج دوں۔ یہ میرے سر پر کھڑے رہے تو میری زندگی کو خطرہ ہے۔ آخر ایک باپ ہوں۔ کیا پتا کس وقت جوش میں آکر اپنے کسی بیٹے کو پیار کر بیٹھوں اور پھر وہ بھی سونا بن جائیں۔ نہیں نہیں۔ پھر وہ بھی اپنے باپ کو اپنی راہ سے ہٹانے کی بات سوچنے لگیں گے۔ جاؤ... جاؤ میرے بیٹو.... کسی خوب صورت آزاد ملک میں جاکر موج مناؤ۔

مجھے تنہا چھوڑدو... ان بچوں کی ماں مجھے پہلے ہی تنہا چھوڑ کر ایک مشہور فلم اسٹار کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اس فلم اسٹار نے مجھ پر یہ بہت بڑا احسان کیا تھا ورنہ میں خود اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سات برس ہوچکے تھے۔ اس سے زیادہ دیر تک کسی عورت کے ساتھ رہنا میرے لیے ناممکن تھا۔

اب مجھے ہر دن نئی شراب چاہیے۔ نئی عورت مل جاتی ہے۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان چھوکریوں نے ہی تباہ کر ڈالا۔ چیونٹیوں کی طرح چٹ کر گئیں

چڑیلیں۔

اب میرا یہ حال ہے کہ کھانا ہضم کرنے کے لیے ایک دوا لینا پڑتی ہے۔ شراب پینے کے لیے ایک دوا.... سونے کے لیے ایک دوا۔ اور کسی عورت کے ساتھ جاگنے کے لیے۔ پھر کمر کا درد۔ جوڑوں کا درد۔ گردوں کا درد... دل کا درد... روپیہ خرچ کرنے کا درد....

ایک دن شراب کا گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں اس عورت پر گر گیا جو میرے پاس لیٹی تھی۔

یہ بات میرے بیٹوں نے سنی تو شاید خوشی سے ناچنے لگے ہوں گے حرامی پلے... ان تینوں کے سکریٹریوں نے میرے پی۔ اے سے میری خیریت پوچھی۔

"کیا ڈیڈی کے بچ جانے کی کوئی امید ہے؟"

مجھے ہوش آیا تو اپنے بیٹوں کی ان باتوں پر ہنسی آگئی۔ میں نے اپنے ڈاکٹروں سے کہا۔

"میرے لیے ایک نوجوان دل منہ مانگی قیمت پر خرید لاؤ۔"

میں جیسے کسی شاندار ہوٹل میں بیٹھا ایک نرم گرم، امیدوں، امنگوں سے بھرے، دل کا انتظار کرنے لگا۔ ایسا دل جو کسی اتفاقی حادثے میں مرنے والے ایک نوجوان کا دل ہو۔

آپ تو جانتے ہیں کہ جب مریض ایک کروڑپتی انسان ہو تو ایک کیا ہزار اتفاقی حادثے ہوسکتے ہیں۔

میرے ڈاکٹروں نے چوراہے پر کھڑے کسی بھی کانسٹیبل سے یہ کام لینے کا ارادہ کیا...

پھر سنا کہ میری نائٹ ڈیوٹی کرنے والی نرس رو رو کر سب سے کہتی پھر رہی ہے کہ اس کے منگیتر کو کسی نے تیسری منزل سے نیچے دھکیل دیا...

ایک دن پہلے ہی ڈاکٹروں نے اس نوجوان کا بلڈ ٹیسٹ لیا تھا کہ کبھی ضرورت ہو تو وہ مجھے اپنا بلڈ دے سکے ۔

نرس کے منگیتر کا امنگوں بھرا دل میرے سینے میں فٹ ہوگیا تو نرس بھی خود بخود میرے پہلو میں آگئی ہے ۔

سب سے پہلے مہیش کی پی ۔ اے نے پیرس سے پوچھا کہ نیا دل لگانے کے بعد میں " چالو " ہوگیا ہوں یا نہیں ... پھر ریش کی بیوی نے میری خیریت پوچھی اور ستیش نے تو خود ہی بات کی ۔

" ہیلو ڈیڈ ... ہاو آر یو ... ؟ ہاں ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ آپ کے سینے میں ایک نوجوان دل فٹ ہوگیا ہے ۔ اب خوب رنگ رلیاں منائیے ... ہاں ۔ کوئی نئی سی پھڑکتی ہوئی چڑیا مل جائے تو مجھے فون کرنا ... ہاہاہا ۔ ہاں ۔ آپ سے ملے دس برس ہوگئے ہیں ۔ ہم جلد ملیں گے ... سی یو ۔ بائے بائے ۔"

" نہیں نہیں ۔ اب مجھے پھڑکتی ہوئی چڑیا نہیں چاہیے بیٹے ۔ تم میرے پاس آجاؤ ۔ تم سب ایک بار آکر دیکھو تو ، تمہارے ڈیڈی کو نئی زندگی ملی ہے ۔ "

" آپ کو پھر نئی زندگی مل گئی ... ؟ " فون کے اس سرے پر ہزاروں سمندروں سے پرے ، ستیش کی ہنسی مجھے سنائی دے رہی تھی ۔

" اچھا ڈیڈ ۔ آج میں اپنی پی ۔ اے سے کہوں گا کہ وہ اگلے سال کے پروگرام میں انڈیا جاکر آپ سے ملنے کی تاریخ بھی رکھے ۔ او ۔ کے ، بائے بائے ۔ "

دیکھا ... ! ستیش مجھے کتنا چاہتا ہے ۔ جب اس کی ماں چھوڑ کر گئی تھی تو وہ سال بھر کا بھی نہ تھا ۔ میری چھاتی سے لپٹ کر سوتا تھا ۔ مگر اب میرے بیٹے کتنے بڑے آدمی بن گئے ہیں ۔

آج ہانگ کانگ میں ہیں تو کل شکاگو میں ۔ آج پہلی بیوی کے ساتھ ہیں

تو کل آخری محبوبہ کے ساتھ۔ ان کا ایک ایک پل قیمتی ہے۔ آنے والے سارے مہینوں، ہفتوں کی گنتی کا ریکارڈ ان کی پی۔ اے کے پاس رہتا ہے۔

لیکن ایک رات پھر کچھ گڑبڑ ہوگئی۔ میرے دل کی دھڑکن بتانے والی مشین کی لہروں نے جانے کیا کیا کہ ڈاکٹروں کی ٹیم نے مجھے گھیر لیا۔ مشینوں میں جکڑ کے میرے کل پرزے جانچے جارہے تھے۔ پھر انھوں نے سنا یا کہ میرے گردے خراب ہوگئے ہیں۔

میرے بیٹوں تک یہ خبر پہنچی تو وہ بار بار فون ملانے لگے۔

"کوئی گڈ نیوز ... ؟"

"تو پھر ڈاکٹر ! میرے لیے نئے گردے خرید لو۔ کیا قیمت ہوگی ؟" میں نے اپنی جیب پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

ڈاکٹر مسکرائے ... اور مجھے نئے گردے مل گئے ....

جس دن یہ اجنبی دیس کے باسی، نئی بستی میں آجانے والے گردے، اپنے پرانے بدن کو ڈھونڈتے تھے، تو میرے ڈاکٹر کہتے ...

"آپ کا خون خراب ہوگیا ہے ..."

پھر ایک مشین میرے خون کو روز چھان پھٹک کے بعد میرے بدن میں واپس کردیتی تھی۔ مجھے اپنے خون پر بڑا ناز تھا کہ اس میں میرے باپ دادا کی ہوش مندی شامل تھی۔

خیر .... ادھار کا دل، مانگے کے گردے اور میرے دماغ میں لبے برے خیالوں کو میرے خون سے صاف کردینے کے بعد میرا دماغ تو اپنا تھا۔ میری روشن آنکھیں تو اپنی تھیں۔ اپنے ذاتی دماغ سے میں اب بار بار یہی سوچتا تھا کہ اب مجھے اپنے بیٹوں کو دیکھنا چاہیے۔ ان دس برسوں میں وہ جانے کتنے بدل گئے ہوں گے۔ وہ سب مجھے دیکھ کر کتنے خوش ہوں گے کہ ممیں نے اپنے بدن کے سارے کل۔پرزے بدل دیے ہیں۔

مگر ان سارے اجنبیوں میں آئے دن چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی ۔ قومی تعصب کی لہریں مجھے دہلادیتی تھیں ۔ کبھی میرا بوڑھا بدن ایک نوجوان دل کی سرکشی سے کانپنے لگاتھا ۔ کبھی ایک مزدور کے گردے کام کرنے سے انکار کردیتے ۔ مانگے تانگے کا خون رگوں میں دوڑنے سے انکار کردیتا تھا ۔

اس آئے دن کی دھماچوکڑی سے میں بیزار ہوگیا تھا ... بار بار کلینڈر کے اس سرخ دائیرے کو دیکھتا تھا ، جہاں ستیش کے آنے کی تاریخ جگمگارہی تھی .... نہیں میرے تینوں بیٹوں کو بلاؤ ۔ تاکہ وہ میری صحت دیکھ کر میری موت کا انتظار بھول جائیں ۔ انھیں بھی تو معلوم ہو کہ ان کا باپ اپنی زندگی کی قیمت جیب میں ڈالے کتنے ٹھاٹ سے جی رہا ہے ۔

اکثر میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹ ، غیرملکی ڈاکٹر اور تماشائی مجھے دیکھنے یوں آتے ہیں جیسے پنجرے میں بند لنگور کو اچھل کود کرتے دیکھ کر تالیاں بجارہے ہوں ۔ کیوں کہ میں اس ریسرچ سنٹر کے ڈاکٹروں کا ایک قابل فخر تجربہ ہوں ۔ میڈیکل سائنس کا ایک نیا کارنامہ ۔ مانگے تانگے کے کل پرزوں سے جوڑا ہوا آدمی ... اپنی دولت سے اپنی زندگی خریدنے والا با اختیار انسان ...

ایک دن ایک بڑے بڑے بالوں والا ، شاعروں جیسا آدمی ، مجھے دیکھ کر اپنے دوست سے بولا ۔ " تم اس آدمی کو دیکھنے کے بعد اس بات کو مان لو کہ دنیا کا سب سے خوفناک درندہ انسان ہے ... یہ اب کسی غریب آدمی کو زندہ نہیں چھوڑے گا ۔ "

ایک بار ایک ماں چھوٹے سے ، پیارے سے ، بچے کو گود میں لیے ، مجھے دیکھنے آئی ... وہ بچہ بالکل ستیش جیسا تھا ، بچپن کا چھوٹا سا ستیش پھر میرے سامنے آگیا تھا ....

میں نے بے اختیار اس بچے کو لینے کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اس کی ماں بچے کو آنچل میں چھپاکر چیختی ہوئی بھاگی ۔ جیسے میں کوئی آدم خور ہوں ، اور

اس بچے کی چمکتی ہوئی آنکھیں نوچ کر اپنے چہرے پر لگالوں گا۔

اور پھر یہی ہوا۔ ستیش کے آنے میں صرف پندرہ دن باقی تھے کہ میرے آگے اچانک کالی رات پھیل گئی۔ اس دن کا سورج میرے لیے نہیں چمکا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم نے پھر مجھے گھیرلیا۔

"آپ کی آنکھوں پر ہیمرج ہوا ہے ..."

"ارے ...؟ اب کیا ہوگا ! کہیں میں مر نہ جاؤں۔ میرے اپنے دماغ کے ساتھ ساتھ مانگے کا دل، خریدے ہوئے گردے اور رگوں میں دوڑنے والا وہ خون بھی بے کل ہوگیا، جس کا میرے بیٹوں سے اب کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔"

"میرے بیٹے کے آنے سے پہلے میرے لیے کسی کی آنکھیں خرید لو ڈاکٹر۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کے سامنے میں دستخط نہ کرسکوں۔ میں انھیں دکھانا چاہتا ہوں کہ ابھی وہ میرے مرنے کا انتظار نہ کریں ... کیا ابھی تک تمھیں میرے لیے آنکھیں نہیں ملیں؟ ان کی قیمت بڑھادو ڈاکٹر۔" میں نے ایک دن اپنے ڈاکٹر کو حکم دیا۔

"بولو ... کتنے دام دوگے۔ میں بیچ رہا ہوں اپنی آنکھیں۔"

آواز سن کر میں چونک پڑا ...

"کون ہو تم ... !" اپنی بے نور آنکھیں پھاڑ کر میں نے پوچھا۔

"میں تمھارے وارڈ کا مہتر ہوں۔ سنا ہے تم انسان کی ہر چیز خرید لیتے ہو؟ میری آنکھیں خریدلو۔"

"اچھا تم اپنی آنکھیں بیچنا چاہتے ہو؟" میں خوش ہوگیا کہ شکار خود میرے پاس آگیا تھا۔

"میں بڑی اچھی قیمت دوں گا تمہیں۔ مگر تم اپنی آنکھیں کیوں بیچ رہے ہو؟ کیا پیسوں کی بہت ضرورت ہے؟"

"نہیں سیٹھ صاحب۔ اب مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں رہی۔ پیسوں کی ضرورت تھی جب اپنے بیٹوں کو پڑھانے کے لیے تو میں نے اپنا خون آپ کے لیے بیچ دیا تھا۔"

"مگر تمہاری آنکھیں چلی گئیں تو تم میری طرح اس دنیا کو نہیں دیکھ سکوگے؟ اپنے بیٹے کو کیسے دیکھو گے۔؟" میں گھبرا کے پوچھا۔

"ہاں میں اسی لیے اپنی آنکھیں بیچ رہا ہوں کہ میرا بیٹا دس برس بعد مجھے دیکھنے اب آرہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دس برس تک میں اسے دیکھے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں۔ میں اب اُسے دیکھنا نہیں چاہتا۔ اپنی آنکھیں پھوڑ دینا چاہتا ہوں۔"

مہتر کی بات سنتے ہی میری وہ ڈور ٹوٹ گئی جس سے میں نے دوسروں کے بدن کو چیر کر باندھا تھا۔ پھر میں زور زور سے چلانے لگا۔

"میرے ٹکڑے الگ الگ کر کے پھینک دو۔"

"ڈاکٹر! مجھے توڑ دو۔"

•••

بھوں ... بھوں ... بھوں

" آؤ آؤ شرمے ۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے ۔ "
راشد حسن نے بے تابی سے ہاتھ پھیلا کر نریندر شرما کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا ۔
" یہ تم ہر بات پر یقین کیسے کرلیتے ہو ؟ " شرما نے انہیں زور دار پیار کر کے پوچھا ۔
" کسی بات پر یقین ہی ایمان ہے یار ۔ مذہب ہے ۔ اور پھر یہی یقین عشق کہلاتا ہے ۔ " راشد حسن نے مولانا روم کی مثنوی ایک طرف سرکادی اور شرمانے وہاں اپنی وہسکی کی بوتل ، الو کے آلو چپس کا پیکٹ اور راشد حسن کے سگریٹ کا پیکٹ رکھ دیا ۔
" اچھا تو آج مولانا روم تم سے تصوف کی منزلیں طے کروارہے ہیں ... ہا ہا ہا ۔ "
شرما اتنی زور سے ہنسے کہ ٹیبل کے نیچے سوتا ہوا الو کھڑے ہو کر چلانے لگا

" بھوں ... بھوں ... بھوں ..."

پھر اس نے آلو چپس کی خوشبو سونگھ لی اور دونوں پاؤں شرما پر رکھ کر انہیں پیار کرنے لگا۔

" ہاں ہاں بیٹا۔ " شرما نے اپو کا سر سہلادیا۔

" اب تو اپو بھی کہنے لگا ہے کہ پروفیسر صاحب سٹھیا گئے ہیں۔ "

دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے تو راشد نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھالیا۔

" لیکن اپو جس بات پر یقین کرلے وہ غلط نہیں ہوسکتی۔ "

" راشد ! میرا خیال ہے تم اس کتے کو کسی اور جگہ بھیج دو۔ "

شرما کے لیے راشد مگ اندر سے لے آئے تو انہوں نے بوتل اپنے آگے سرکالی۔

" ورنہ ڈاکٹر راشد حسن ! مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے کسی اسٹوڈنٹ کو ریسرچ کے لیے اپو کا ٹاپک دے دوگے۔ ہا ہا ہا۔ "

شرما گھر سے یہ بات طے کر کے آئے تھے کہ وہ راشد کے گھر تھوڑی دیر بیٹھ کر خوب ہنسیں گے، کوئی سنجیدہ بات نہیں ہوگی۔

" شرمے یار ! قسم خدا کی۔ یہ تو بہت ہی اہم ٹاپک ہوگا ریسرچ کے لیے۔ " راشد حسن نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور ٹیبل پر پڑے کاغذ کے انبار میں لائٹر ڈھونڈنے لگے۔

" اور پھر تم ادبی دنیا میں، ڈاکٹر راشد حسن ! ماہر لسانیات کی بجائے ماہر حیوانیات مانے جاؤگے۔ ہاہاہا۔ " شرما نے وہسکی کی بوتل کھولی۔

" لعنت بھیجو ادب پر۔ " راشد نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا۔

" میں نے اپو کے ساتھ رہ کر کتوں کی نفسیات پر واقعی ریسرچ کی ہے شرمے۔ "

" بس کرو یار ۔ اب الو کی باتیں کر کے بور مت کرو ۔ " شرما نے وہسکی کا لمبا گھونٹ لیا ۔ وہ جیسے اپنی برسوں کی تھکن اتارنا چاہتے تھے ۔

" بڑی مشکل سے آج موقعہ ملا ہے کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی وہسکی لے سکوں ۔ تم لوگے ؟ "

" آج نہیں ۔ اندر تھانے دار ہے ۔ " راشد نے بیڈروم کی طرف اشارہ کیا ۔ وہ اپنی بیوی کو تھانے دار کہتے تھے ۔

نشاط کہتی ہے شراب پینا گناہ ہے ۔ وہ بچاری کیا جانے میں نے کتنے گناہ کیے ہیں ۔ اور اب انہیں معاف کروانے کے لیے پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں ۔ پھر ہر نماز کے بعد اپنی مغفرت کی دعا ۔ مگر نشاط ایک تھانے دار کی طرح حکم دیے جاتی تھی ۔

" شراب مت پیو ۔ سگریٹ چھوڑدو ۔ ہر وقت الو کو گود میں لیے کیوں بیٹھے رہتے ہو ۔ " اب گھر میں اور کون تھا ۔ وہ اور الو ۔ دونوں پر نشاط کی سخت نگرانی تھی ۔

" باہر کیوں گئے ؟ اندر کیوں آئے ؟ صوفے پر کیوں بیٹھا ؟ کچن میں کیوں گیا ؟ سب بچے دور دور جا بسے تھے ۔ رشتے دار بھی بور کرتے تھے ۔ ریٹائر ہونے کے بعد شام کو وہ الو کی زنجیر تھامے ٹہلنے چلے جاتے تھے ۔ مشتبہ چہروں اور شور مچانے والی کاروں پر الو بھوکنے لگتا ۔ پھر انہیں بھی غصہ آنے لگتا ۔ کلنٹن کی عشق بازی پر ۔ بال ٹھاکرے کی خوش فہمی پر ۔ کسی ٹی وی سیریل پر ۔ اخبار کے ایڈیٹر پر ۔ اور پھر اپنے بچوں کی لاپروائی پر ۔ سالے گلف اور امریکہ میں موج منا رہے ہیں ۔ کسی کو ایک فون کرنے کی فرصت نہیں ملتی ۔ گھر لوٹتے وقت وہ طے کرلیتے کہ آج نشاط کی زبان درازی کو روک کے رہیں گے ۔ مگر گھر میں گھستے ہی نشاط کی کسی بات پر الو اسے بری طرح ڈانٹ دیتا تھا ۔ ان کا جی خوش ہوجاتا ۔

پھر وہ گیٹ پر اپو کی زنجیر تھامے راہ گیروں کا تماشہ دیکھنے کا بہانہ کرتے تھے۔ مگر انہیں پوسٹ مین کا انتظار ہوتا۔

بار بار ان کی نظریں شرما کے فلیٹ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ آج شرما بالکنی میں کیوں نہیں آیا؟ شاید منورما کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

ڈاکٹر نریندر شرما سائنٹسٹ تھے۔ ریسرچ لیب کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے ایٹمی پاور کے نئے تجربوں پر اتنا کام کیا تھا کہ انہیں ملک سے باہر کئی یونیورسٹیوں نے فیلو شپ دیے۔ ساری دنیا گھوم چکے تھے۔ "پدم شری" لے چکے تھے۔ ریٹائر ہوتے ہی منورما پر فالج کا حملہ ہوا۔ وہ بالکل اپاج ہو گئی۔ وہیل چیئر پر لے جانا پڑتا۔ یہ دیکھتے ہی ایک بیٹا کینڈا چلا گیا۔ دوسرا جوبلی ہلز میں جا بسا۔ بیٹوں نے دو نوکر رکھ دیے، خدمت کرنے کے لیے۔ مگر سارا دن شرما کو منورما کی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی۔ لکھنا پڑھنا چھوٹ گیا۔ انہیں نیوز پیپر دیکھنے کی فرصت نہ ملتی۔ تھک ہار کر وہ بالکنی میں جا بیٹھتے۔ راشد حسن کے گیٹ کی طرف دیکھنے لگتے۔ دونوں پرانے پڑوسی تھے۔ یونیورسٹی کے دوست۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کے راز دار۔ دکھ درد کے ساجھے دار۔ پھر جب بہت بور ہوجاتے تھے تو نوکر سے ایک وہسکی بوتل منگواتے۔ راشد کے لیے سگریٹ کا ایک پیکٹ اور اپو کے لیے آلو چپس۔ پھر وہ موج منانے، جی بھر کے ہنسنے کے لیے راشد کے گھر آجاتے تھے۔ اپو انہیں دیکھتے ہی خوشی کے مارے اچھلنے لگتا تھا۔ بچوں کی طرح پیار کرتا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا شرما اس کے لیے کوئی مزیدار چیز لائے ہوں گے۔

راشد کو ڈاکٹر نے سگریٹ پینا منع کردیا تھا۔ مگر شرما ان کے لیے ایک پیکٹ ضرور لے جاتے تھے... موج منانے... جی خوش کرنے کے لیے۔

جب پڑوسی پنڈت میگھ راج کی بیٹی راگ سوہنی کی پریکٹس شروع کرتی تو شام کے اداس سائے ان کی طرف بڑھنے لگتے۔ جیسے کوئی چیز دھیمے دھیمے سلگ

رہی ہو۔ لودے اٹھے ... جیون جوت جلے ۔

اچانک احساس ہوتا کہ وہ نہ جانے کب سے سلگ رہے ہیں ۔ شام کا بڑھتا ہوا اندھیرا انہیں چاروں طرف سے گھیر چکا ہے ۔

" آو آو شرمے ! مجھے یقین تھا آج تم ضرور آوگے ۔"

راشد کے پھیلے ہوئے ہاتھ انہیں تھام لیتے تھے ۔

" شرمے یار۔ جانے کیوں آج شام سے جی اداس ہے ۔" وہ اپو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگے ۔

" ہر وقت کتے کے ساتھ رہوگے تو یہی حال ہو گا ۔"

" شرمے ۔ اپو واقعی میری زندگی کی ایک ضرورت بن گیا ہے ۔ سب چلے گئے ۔ یہ میرا ساتھ نہیں چھوڑتا ۔"

" اب یہ اردو شاعروں کی طرح ہجر کے راگ مت چھیڑدو یار ۔ لکھنا پڑھنا کیوں چھوڑ دیا ہے تم نے ؟ میں تو نیوکلیر پاور کے نئے امکان پر ایک پروجیکٹ شروع کررہا ہوں ۔" شرما نے وہسکی کا لمبا گھونٹ لیا ۔

" چھوڑو یار ... کیا ملا اتنی کتابیں لکھ کر ۔ اب تو اردو بھی ہمارے ساتھ ختم ہورہی ہے ۔"

" بس تو پھر ٹھیک ہے ۔ تم اپو پر ریسرچ کرو ۔" شرما کو ہنسی آنے لگی ۔

" نشاط بھی یہی کہتی ہے کہ جس گھر میں کتے ہوں وہاں فرشتے نہیں آتے ۔"

" واہ یہ ہوئی نا بات ۔" شرما نے اپنا ہاتھ راشد کی طرف بڑھایا ۔

" پھر تو موت کا فرشتہ بھی تمہارے گھر نہیں آئے گا ۔"

" مگر اب موت کے فرشتے سے ڈرنا چھوڑدیا ہے ہم نے ۔" راشد نے سگریٹ کا لمبا کش لیا ۔" اس جہنم سے نکل کر اچھا ہے دوسرے جہنم میں چلے جائیں ۔"

"مگر وہاں الو کے بغیر جانا پڑے گا۔" دونوں کو ہنسی آگئی۔

"الو نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔" راشد نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔ "پھر وہ کیوں جہنم میں جائے گا۔"

"یار راشد... جانور گناہ کیوں نہیں کرتے؟" شرما نے وہسکی کا مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"ہاں... کوئی کتا کسی دوسرے کتے کو کبھی قتل نہیں کرتا۔" راشد نے سگریٹ کا لمبا کش لیا۔

"اسی لیے ہر وقت آنکھیں موندے کتنے مزے میں پڑا رہتا ہے۔ اسے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔" شرما نے وہسکی کا گلاس پھر سے بھرا۔

"یار! کتوں کو نیک راہ پر چلانے کے لیے کسی اوتار کی ضرورت ہے نہ سیاسی راہ نمائی کی۔ ہاہاہا۔" شرما بڑی زور سے ہنسے۔

"اور پھر اسے نہ ڈائریکٹر بننے کا دکھ ہے نہ پروفیسر شپ نہ ملنے کا۔" راشد نے شرما کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اب ان کے قہقہہ لگانے کی باری تھی۔

"اچھا ایک بات اور سنو ڈاکٹر راشد حسن! کتوں کو اپنی صحیح زبان سیکھنے کے لیے ڈاکٹر راشد حسن کی لنگوسٹکس پر لکھی کتابیں بھی نہیں پڑھنا پڑتی ہیں۔"

دونوں اتنی زور سے ہنسے کہ الو غرانے لگا۔ بھوں... بھوں... بھوں۔

"ذرا ٹھہرو۔ آج الو سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے۔ الو... الو... شود... شود۔" شرما اشارے کر کے الو سے پوچھنے لگے کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے۔

"بھوں... بھوں... بھوں..." الو کو اب غصہ آنے لگا۔

" بس ؟ کتے ہی رہو گے ؟ " شرما نے بڑی مایوسی کے ساتھ راشد کی طرف دیکھا ۔

" یعنی اسے ایوارڈ لینے " " پدم شری " بننے کا شوق نہیں ہے ۔ " راشد نے ہنس کر شرما کے ایوارڈ پر طنز کیا ۔

" کمال ہے یار ۔ " شرما نے بڑی مایوسی کے ساتھ وہسکی کا مگ اٹھا یا ۔ ایک گھونٹ لیا ۔ " کتا بس کتا ہی رہنا چاہتا ہے ۔ "

" اور سالا عشق کا روگ بھی نہیں پالتا ۔ " راشد نے رشک بھرے انداز میں الو کی طرف دیکھا ۔

" ہماری پڑوسی منورما انگلینڈ گئیں تو اپنی کتیا کو یہاں چھوڑ گئیں ۔ " دونوں نے ایک ساتھ زور دار قہقہ لگایا ۔

" اچھا پھر تو مسٹر الو تمہاری طرح اس کتیا پر لٹو ہوگئے ہوں گے ؟ " شرما نے بالکل کالج کے لونڈوں کی طرح آنکھ مار کے راشد کی طرف دیکھا ۔ انہیں یاد تھا کہ یونیورسٹی میں ایک اینگلو انڈین لڑکی کے عشق میں راشد فیل ہوگئے تھے ۔

" کیا بتاؤں شرمے ۔ سالا سارا دن لان میں اس کے ساتھ عشق لڑاتا تھا ۔ پھر منورما آئیں تو سکون ملا مجھے ۔ "

" کیوں ؟ تمہیں کیوں سکون ملا ؟ " شرما نے ایک بھوں اٹھا کر کسی فلمی ولن کی طرح پوچھا ۔ " فراق کی آگ میں جلتے ہوئے الو پر تمہیں رحم نہیں آیا ؟ "

" شرمے یار ... اس نے پھر کبھی اس کتیا کو یاد نہیں کیا ۔ رشک آتا ہے مجھے الو پر ۔ "

شرما نے راشد حسن کے چہرے پر جانے کون سے دکھ کی پرچھائیں لرزتی دیکھی کہ انہوں نے وہسکی کے لمبے گھونٹ میں بہت سی کڑواہٹ نگل

لی۔

اب راشد آنکھیں بند کر کے کرسی کے سہارے لیٹ گئے۔

" اور بنو اشرف المخلوقات۔" انہوں نے کانپتے ہاتھ سے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ دی۔ سگریٹ کا دھواں ناک سے نکال کر آنکھیں بند کرلیں۔

دونوں چپ ہوگئے۔ جیسے زندگی کی ساری ادھوری خواہشوں، کڑوی یادوں نے انہیں گھیر لیا ہو۔

" کیا ملا ہمیں انسان بن کر؟" آنکھیں بند کر کے راشد نے کہا۔

" میں آج کل فلسفہ وحدت الوجود پر کام کررہا ہوں ! سچ کہتا ہوں شرما، چاروں طرف سوال اور شک کے سائے بڑھتے جارہے ہیں۔"

" پروفیسر راشد حسن ! یہ کھوج اور نئے امکان کی تلاش کا کام سائنس کے لیے چھوڑ دو اور الو کی طرح آنکھیں بند کیے، پڑے رہا کرو۔"

" واقعی یار۔ کبھی کبھی رشک آتا ہے مجھے الو پر۔" راشد حسن پھر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ نیا سگریٹ جلایا۔ لمبا کش لیا۔

" کیا نہیں ملا اسے؟ اور پھر دنیا کا ڈر نہ عاقبت کی فکر۔" انہوں نے الو کو رشک بھرے انداز میں دیکھا وہ مزے میں آلو چپس چبا رہا تھا۔

" میں نے تو سنا ہے کہ آج کل کتے ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں کہ انسان کی موت مروگے۔" راشد جانتے تھے کہ اب وہسکی شرما کے دماغ پر چڑھ چکی ہے۔ اور ان کے قہقہے آنسوؤں میں بدلنے والے ہیں۔

" بلکہ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ لوگ دعا مانگتے ہیں کہ انہیں انسان سے کتا بنادے۔" دونوں بڑی زور سے ہنسے اور الو زور زور سے چلا کر برہمی کا اظہار کرنے لگا۔

" ارے جانے دو یار۔" شرما الو کا سر سہلانے لگے۔

" ہم مانے لیتے ہیں کہ ڈاکٹر راشد حسن کتا بننے کے قابل نہیں ہیں ۔ مگر تم اس بات پر اتنا خفا کیوں ہو رہے ہو ؟ "

اس بار ان دونوں کا زور دار قہقہہ سن کر چوکیدار دوڑا ہوا آیا اور کھڑکی سے اندر جھانکنے لگا ۔

" دونوں بڈھے سٹھیا گئے ہیں ۔ اولاد چھوڑ کر چلی گئی ۔ اب پاگلوں کی طرح ہنسے جا رہے ہیں بچارے ۔ "

" اچھا تو آج کی اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب اگلا جنم انسان کی بجائے کتے کے روپ میں لینا چاہیے ۔ ہاہاہا ۔ " شرما نے وہسکی کا آخری گھونٹ پی کر گھڑی دیکھی ۔

" آج بہت ہنسے ۔ اب منورما کی دوا کا وقت ہو گیا ہے ۔ "

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔

" ذرا ٹھہرو ۔ " راشد کرسی سے اٹھنے لگے تو لڑکھڑا گئے ۔ ٹیبل سے ٹکرائے ۔

" شاید ساجد کا فون ہو گا ۔ آج اتوار ہے ۔ نشید آ رہا ہو گا ... ہیلو ... ہیلو " ... کٹ ہو گیا ۔

انہوں نے مایوسی کے ساتھ فون رکھ دیا ۔ "

" تم فون کرتے وقت اتنی زور سے کیوں چلاتے ہو ؟ تمہاری آواز تو فون کے بغیر بھی کینیڈا پہنچ رہی ہو گی ۔ "

" کہاں پہنچتی ہے شرمے ۔ " راشد بڑی مایوسی کے ساتھ پھر کرسی پر بیٹھ گئے ۔

" کمبخت کوئی نہیں سنتا میری آواز ۔ دو برس ہو گئے کوئی نہیں آیا ۔ "

" تم فون کا انتظار کرتے رہو ۔ میں بالکنی میں بیٹھا راہ تکے جاتا ہوں ۔ دور سے آتی ہر کار شلندر کی کار لگتی ہے ۔ "

دونوں چپ ہوگئے ۔ اتنے ہی اداس جتنے اس کمرے میں آنے سے پہلے تھے ۔ اپنی چٹ پٹی باتوں کا تیزاب قطرہ قطرہ بن کر ان پر گرنے لگا ۔

" چلتا ہوں یار ۔ منورما کی دوا کا ٹائم ہوگیا ۔ بائے بائے ۔ "

شرما چلے گئے تو راشد نے فین آن کیا ۔ ڈرائنگ روم کے سب دروازے کھول کر شراب اور سگریٹ کی بو کم کی ۔ ایش ٹرے کی راکھ باہر پھینکی ۔ خالی مگ اٹھا کر بیڈروم میں آئے تو نشاط نے رضائی سے منہ نکال کر سر اٹھایا ۔ " کتنا شور مچایا ہے ؟ الو کی طرح کیوں بھونک رہے ہو آج ؟ "

" کیا ... ؟ واقعی ... ؟ ؟ "

ان کے ہاتھ سے مگ چھوٹ گرا ۔

•••

نظر نہ آنے والے لوگ

" روشن چراغ کو دیکھ کر کوئی نہیں سوچتا کہ اس کے نیچے تیل جل رہا ہے ۔ " دسمبر کی ٹھنڈی اندھیری رات میں، ٹیبل لیمپ کے سامنے بیٹھے آنند مکرجی ایک ایڈیٹر کے سوالوں کے جواب لکھ رہے تھے ۔

" میں ایک لیکھک ہوں ۔ ان سب اچھے لکھنے والوں کی تحریریں پڑھنا چاہتا ہوں جو اپنی آئیڈیولوجی سے جڑے رہے ۔ ساری زندگی ایک مشن کی تکمیل میں لگے رہے ۔ "

" آپ نے پوچھا ہے میں نے کیا کیا پڑھا ہے ...؟

"مذہب، فلسفہ، موسیقی اور سماجی علوم پڑھنے کے بعد میں کہیں کا نہ رہا ۔ ہر طرف دوڑنے لگا ۔ مجھے اپنا قد بہت چھوٹا لگا ۔ ان مہان ہستیوں کے آگے، جو حسین کی طرح مٹنے اور حسین کی طرح مرنے کا حوصلہ رکھتے تھے ۔

" میرے مسلسل لکھتے رہنے کا ایک ہی مقصد ہے کہ میری لکھی ہوئی

ایک سطر کسی کو سچ بولنے کی طاقت دے ۔ چور کو مجرم کہنے کا حوصلہ ہو ۔ "
اچانک سڑک پر کسی کار کے بریک لگنے کے ساتھ ایک چیخ سنائی دی ۔ مکرجی نے ٹیبل لیمپ آف کیا ۔ گرم لحاف میں لیٹی نرملا پر ایک نظر ڈالی اور شال اوڑھ کر زینے کی طرف بڑھے ۔ سڑک پر کچھ ہوگیا تھا ۔ اس کالونی میں انڈر ورلڈ میں کام کرنے والوں نے بنگلے بنالیے ہیں ۔ ان کے لڑکے ہر طرف کاریں دوڑاتے پھرتے ہیں ۔

" کیا ہوا ... ؟ "

کار میں بیٹھی کومل دھکا کھا کر اکرم کی گود میں پھسل گئی ۔ اکرم گھبرا گیا ۔

" شاید کوئی کار کے نیچے آگیا ہے .... "

" ہائے رام .... اسی لیے تو کہتی ہوں کار چلاتے وقت مجھے پیار ..... "

" تو کیا کروں ! وہ تمہارا بچی ہر طرف ہماری جاسوسی کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے ۔ "

" کیا ہوا ..... ؟ " سڑک پر کار کی چیخ سن کر سلطان حسین نے بلو فلم کی آواز ریموٹ سے کم کردی ....

" اونہہ ..... شاید کوئی ایکسی ڈینٹ ہوگیا ہے .... " شیبا نے پھر ٹی وی آن کردیا ۔ " شیبا بیگم ! اب تم کسی منسٹر کی بیگم نظر آنے لگی ہو ... " انہوں نے شیبا کو اپنی طرف کھینچ لیا ۔

" منسٹر کا نام بتائیے ۔ " وہ سلطان حسین کی گود میں لیٹ گئی ۔

" وہ تو ٹی ۔ وی کی نیوز میں دیکھ لینا ... " سلطان حسین نے مگ میں بیئر ڈالی ۔

" اب الیکشن کسی وقت بھی ہوسکتے ہیں ۔ کیسری بار بار فرنٹ کو دھمکیاں دے رہے ہیں اور جب سے پارٹی آفس میں یہ خبر پھیلی ہے کہ سلطان حسین نے چار مرڈر کروائے ہیں شرما جی تو مجھے دیکھ کر کھڑے ہوجاتے

ہیں ۔ " دونوں ہنس پڑے ۔ " اب مجھے الیکشن کا ٹکٹ دینے سے کون روک سکتا ہے ۔ "

سڑک پر شور بڑھنے لگا ۔

" نیچے جاکر دیکھنا چاہیے ۔ کیا ہوا ہے ... " سلطان حسین کھڑے ہوگئے ۔ کالونی کے ہر جھگڑے کو فرقہ وارانہ رنگ دینا اور پھر اسے ٹھنڈا کرنا ان کے لیے ضروری تھا ۔ لیڈر بننے کا پہلا قدم یہیں سے اٹھتا ہے ۔

بریک کی چیخ سن کر راشدہ نے نوالہ رکابی میں چھوڑ دیا ۔ مولانا زاہد علی ہاشمی بھی روٹی چھوڑ کر کھڑکی طرف دیکھنے لگے ۔

" شاہد اور ماجد ٹیوشن پڑھ کر آتے ہوں گے ۔ اللہ خیر کرے ۔ " راشدہ کھڑکی کی طرف بھاگی ۔ " جب سے یہ سالے نو دولتیے ہندو کالونی میں آبسے ہیں ، ان کے آوارہ لونڈے اندھا دھند کاریں دوڑاتے پھرتے ہیں ۔ اچھا ہے ایک آدھ کم ہوجائے ۔ "

" آپ نیچے جاکر دیکھیے نا ۔ کیا ہوا ہے ۔ " راشدہ بہت پریشان تھی ۔

مولانا زاہد علی ہاشمی نے گودے کی ہڈی چوس کر رکابی میں رکھی ۔ جلدی جلدی انگلیاں چاٹیں ۔ جھوٹے ہاتھ داڑھی سے پونچھے اور اللہ کا شکر ادا کرکے اٹھ کھڑے ہوئے ۔

" شاید کار کا ایکسی ڈنٹ ہوگیا ہے ۔ " سنیل نے بیئر اور گلاس ٹیبل پر رکھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا ۔

ابھی ناصر گرما گرم تندوری چکن اور اس سے بھی گرما گرم ایک چھوٹی سے گول مٹول لڑکی پکڑ لایا تھا ۔ مگر لڑکی کو مکرجی نے لفٹ میں ناصر کے ساتھ دیکھ لیا تھا ۔ اس لیے ناصر بے حد پریشان تھا ۔

" سنیل ! چلو ذرا نیچے ایک چکر لگا کر دیکھ آئیں ۔ کسی کا ایکسی ڈنٹ ہوا ہے ۔ "

"تو جا ...... اپن اب کہیں نہیں جانے والے چاہے کسی کا بھی ایکسی ڈنٹ ہوجائے ۔"

گرما گرم چکن کی خوشبو تھی یا لڑکی کی بدن سے اٹھنے والی آنچ ۔ سنیل تو بے پئیے لڑ کھڑا رہاتھا ۔ مگر ناصر کا دل دھڑک رہاتھا ۔ اسی بلڈنگ کے تیسرے فلور پر اس کا فلیٹ تھا ۔ امی ابا بھی سڑک کا شور سن کر جاگ اٹھے ہوں گے ۔ وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ ناصر سنیل کے فلیٹ میں اسٹڈی کرنے جاتا ہے ۔ کار کے بریک میں الجھی کسی کی چیخ بھی تھی ۔

گھرے سیاہ پردوں سے گھرے کمرے کے اندر وہ چاروں بیٹھے نوٹ گن رہے تھے ۔ پارٹی میں کسی ممبر کو خریدنے کی بات پکی ہوجاتی تھی تو اسے دکھی رام کے گھر بھیج دیاجاتا تھا ۔ دکھی رام نے اس کالونی میں بڑا خوبصورت مکان بنوایاتھا ۔ بالکل مندر کا ماڈل ۔ اسے دیکھتے ہی خریدنے اور بیچے جانے والے ہر ممبر کا سر جھک جاتا تھا ۔ دکھی رام سونے چاندی کے ایک چھوٹے سے بیوپاری تھے ۔ مگر گھر کے اندر وہ دوسرا دھندا چلاتے تھے ۔ ممبر چاہے کسی بھی پارٹی کا ہو ۔ اسے توڑنے اور دوسری طرف جوڑنے کا بزنس زوروں پر تھا ۔ ان کا کسی بھی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔ اس لیے ہر پارٹی نے اپنا کروڑوں روپیہ ان کے ڈرائنگ روم کے نیچے دبا دیاتھا ۔

ابھی کل ہی ایک پارٹی کے تین ممبروں نے دوسری پارٹی میں جانے کے لیے، ایک کروڑ روپیہ لیا تھا ۔ مگر گھر جانے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ بہت سستے بک گئے ۔ صبح انہوں نے پریس کانفرنس میں اعلان کردیا کہ وہ تو دونوں کے بیچ ، ایک سے فاصلے پر کھڑے ہیں ۔ چنانچہ انہیں اپنی طرف سرکانے کے لیے پھر دکھی رام کے گھر بھیج دیا گیا ۔ اب وہ تینوں دو دو کروڑ گننے بیٹھ گئے ۔

"لگتا ہے کوئی ایکسی ڈنٹ ہوگیا ہے ۔ میں ذرا نیچے جاکر دیکھ آؤں ۔"

دکھی رام ایسے وقت کسی نہ کسی بہانے نیچے اتر کے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے رہتے تھے ۔ انہیں سی ۔ بی ۔ آئی کا ڈر نہیں تھا ۔ اپوزیشن پارٹی کے چغل خوروں کا خوف تھا ۔ حالانکہ کالونی والے انہیں بڑا دیالو ، دھارمک انسان مانتے تھے کہ کالونی میں کسی سے لینا نہ دینا ۔ بس دوکان پر بیٹھے اور گھر میں گھس گئے ۔

ایک چھوٹی سی ماروتی کار گھسٹتی ہوئی فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی تھی ۔
چیخ کی آواز سن کر لوگ دوڑے چلے آرہے تھے ۔
ہر فلیٹ کی ہر گھر کی کھڑکی کھل گئی تھی ۔

وہاں سب سے پہلے پہنچنے والے سلطان حسین تھے ۔ کیونکہ ہر لڑائی کو پھیلانا اور بھڑکانا ضروری تھا ۔ اکرم نے جلدی سے کار اسٹارٹ کر کے فرار ہوجانے کی سوچی ۔ مگر لوگ اسے چاروں طرف سے گھیر چکے تھے ۔ " کیا ہوا ..... ؟ کیا ہوا ..... ؟ "

" میرا ڈیبنجر تھا ۔ کتے کا بچہ ۔ میں اسے ابھی یہاں چھوڑ کر اندر گیا تھا انکل ۔ " سامنے والے گیٹ سے مائیکل دوڑتا ہوا آیا ۔

" کتے کا بچہ ..... ! ہائے ہائے ..... چہ چہ ... افسوس ..... ہائے رام کتنا بے رحم ہے سالا ۔ نشے میں ہوگا حرامی ..... پکڑلو سالے کو ...... "

" ہمیں شما کردیجیے ۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔ " کومل نے کار سے باہر آکر سب کے آگے ہاتھ جوڑ دیے ۔ (اتنی خوبصورت چھوکری کے ساتھ بیٹھا تھا سالا ۔ اسی لیے .....) اب تو سب کو ہی غصہ آنے لگا ۔

" ان کی طبیعت تو ابھی ٹھیک کیے دیتے ہیں ہم ۔ " سلطان حسین سب کو ہٹا کر آگے بڑھے ۔

" بل ڈاگ تھا پیارا ڈیبنجر ... ہمارے گرینڈ فادر اس کے گرینڈ فادر کو لندن سے لائے تھے ۔ " مائیکل سسکیاں لے رہا تھا ۔

مائیکل کے ڈیڈی ایک مشہور مشنری اسکول کے پرنسپل تھے ۔ وہاں ڈونیشن کے بغیر کسی بچے کو ایڈیشن نہیں ملتا تھا ۔ اس بات پر کالونی کے لوگ ان سے خفا رہتے تھے ۔ ہوسکتا ہے ڈیبنجر کو اسی لیے کار سے کچل دیا ہو کہ انتقام لیا جائے ۔

سلطان حسین نے چنگاری کو ہوا دینے کی بات سوچ لی ۔

" آئی ایم ویری سوری سر ..... " اکرم نے سب کے آگے ہاتھ جوڑے ۔

" یہ بہت دکھ کی بات ہوتی ہے ۔ " مکرجی نے سر جھکا کر کہا ۔ " آپ نوجوان لوگ ہر جگہ جلدی پہنچ جانا چاہتے ہیں ۔ راستے کی ہر چیز کو مٹا کر ، تباہ کر کے ۔ "

اکرم بے حد پریشان تھا ۔ کہیں بات بڑھ گئی تو کومل کے پتی تک چلی جائے گی کہ وہ دونوں آدھی رات کو ....

" میری غلطی نہیں ہے سر ۔ کتے کو ایک سائیکل والے نے ٹکر دی ہے وہ سائیکل والا ایک بچہ کا پیچھا کر رہا تھا ۔ بچہ ادھر ادھر بھاگ کر بچاؤ بچاؤ چلا رہا تھا ۔ اور پھر ... پھر وہ میری کار کے سامنے ..... "

" بس کرو یہ کہانیاں .... " مولانا زاہد ہاشمی نے چلا کر کہا ۔

" ہماری کالونی میں آپ ایک جانور کی جان لیں گے تو ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں ۔ پتہ نہیں آپ کو کون سی پارٹی والوں نے بھیجا تھا ۔ آج مائیکل کے کتے کو مارا ۔ کل اس کے بھائی کی جان لے سکتے ہیں ۔ " سلطان حسین نے اپنی تقریر کا آغاز کیا ۔

" اجی مسلمان لوگ تو کتے کے دشمن ہوتے ہیں ۔ " دکھی رام نے بڑے طنز کے ساتھ کہا ۔

" ہم کتے کی قیمت دینے کو تیار ہیں انکل ۔ " کومل نے سلطان حسین سے کہا ۔

" اچھا .... بڑی دولت مند دیوی جی ہیں آپ ... " مکرجی نے نفرت بھرے انداز سے ادھر دیکھا۔

" ایک جانور کو کار سے کچل ڈالا اور اس کی قیمت دے کر چلی جائیں گی .... ؟ "

" روز کتنے دلوں کو روند ڈالتی ہیں آپ .... ؟ " ناصر نے بڑی دلچسپی سے کومل کو دیکھا۔ اکرم گھبرا کے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔

" ہمیں معاف کردیجیے ۔ آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہوگا .... " وہ سلطان حسین کی طرف بڑھا جو کھادی کا کرتا بڑی سی توند پر تانے کسی ٹی وی سیریل کے ویلن جیسے لگ رہے تھے ۔

" آپ اپنا نام بتائیے .... "

" جی اکرم علی خاں ۔ انڈین ایرلائنس میں پائلٹ ہوں ۔ "

" اسی لیے کار بھی پلین کی طرح چلاتے ہیں ۔ "

" ایک مسلمان ایک کرسچین کے کتے کو روند ڈالے تو کالونی کے ہندوؤں کو بچارے کرسچین لڑکے کا ساتھ دینا چاہیے ۔ " دکھی رام نے آہستہ سے سلطان حسین کے کان میں کہا تو انہوں نے گردن ہلا کر تائید کی۔

" لیکن آپ میری بات پر یقین کیجیے ۔ غلطی سائیکل والے کی تھی ۔ وہ سامنے والی گلی میں بھاگ گیا ۔ "

" غلطی کسی کی بھی ہو ۔ لیکن ایک جانور کا خون ہوا ہے ۔ اس کا فیصلہ اب پولیس کرے گی ۔ "

" ہمیں اب پولیس اسٹیشن چلنا چاہیے ۔ " مکرجی نے اپنے مخصوص دھیمے دھیمے لہجے میں کہا تو سب نے تائید کی۔

کالونی میں چاہے کئی طرح کے لوگ رہتے ہوں ۔ لیکن اس بات کو سب جانتے تھے کہ مکرجی صاحب بہت اچھے ، سچے اور بڑے رائٹر ہیں کہ منسٹر تک

انہیں دیکھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ نوجوان ان کے پیر چھو کر آشیرواد لیتے ہیں۔

" تمہارا کیا نام ہے ....؟ " سلطان حسین نے کومل کے پاس جا کر اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

" جی۔ جی میں کومل اگروال ہوں۔ میں ان کی .... یہ میرے .... میرے ہزبینڈ کے فرینڈ ہیں۔ مجھے گھر چھوڑنے جارہے تھے ...."

" ہاہاہا ....." مولانا ہاشمی اتنی زور سے ہنسے کے سب گھبرا کر انہیں دیکھنے لگے۔

" اب دیکھتے ہیں آپ کو کہاں چھوڑتے ہیں ...." سلطان حسین نے مسکرا کر کہا۔ پھر اکرم کا ہاتھ پکڑ کے ایک کونے میں لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد بڑے فیصلہ کن انداز میں اعلان کیا۔

" مکرجی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں پولیس اسٹیشن جانا ہی پڑے گا۔"

" ہوسکتا ہے اس کتے کو مارنے کا ایک پلان ہو۔"

اس سے پہلے بھی کسی نے اس کی ٹانگ توڑدی تھی۔"

" بھلا سوچئے۔ پوری کالونی میں صرف ایک کرسچین فیملی رہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک ....."

" اب یہ ساری بحث کیا ضروری ہے "؟ مکرجی نے جمائی لے کر کہا۔

" ہاں ہاں آیئے۔ آیئے " سلطان حسین نے اکرم کی کار کا دروازہ کھول کر سب کو بلایا۔

" میری بات سنیے پلیز ..." اکرم چاروں طرف گھبرا کر سب کو دیکھ رہا تھا۔

" مکرجی صاحب ۔ پہلے آپ بیٹھے ......"

چھوٹی سی کار میں سلطان حسین ، دکھی رام ، مولانا ہاشمی ، سب گھس گئے ۔ ناصر چاہتا تھا وہ سامنے کومل کی گود میں سما سکے ۔ آخر مائیکل اور ناصر نے پولیس اسٹیشن تک پیدل جانے کا فیصلہ کیا ۔ اکرم نے کار اسٹارٹ کی تو مائیکل چلایا ۔

" ارے .... کار کے نیچے ڈیبنز نہیں ہے ۔ یہ تو ایک بچہ ہے ......"

" بچہ ...... ؟ " سب ایک ساتھ چلائے ۔ " کیا مرگیا ہے .... ؟ "

کومل چیخ مار کے اکرم سے لپٹ گئی اور زور زور سے رونے لگی ۔

ہاشمی اور سلطان گھبرا کے نیچے اترے ۔

" اگر مکرجی صاحب پولیس اسٹیشن جانے پر اصرار نہ کرتے تو یہ دونوں فرار ہوجاتے ۔ "

" یہ معاملہ تو اب گڑبڑ ہوجائیگا ۔ " دکھی رام نے گھبرا کر کہا ۔

" پتہ نہیں کس کا بچہ تھا ۔ پولیس والے ہمارے پیچھے پڑجائیں گے ۔ گواہی شہادتوں میں پھریں گے ۔ " ہاشمی نے ناصر سے کہا ۔

" اگر کسی ہندو کا بچہ ہے تو ہماری شامت ....."

دکھی رام نے گھر کی طرف تیزی سے جاتے ہوئے کہا ۔

" مکرجی صاحب ! اب میں پولس اسٹیشن جاؤں گا تو پھر لمبی چوڑی انکوائری میں پھنسالیں گے مجھے ۔ " سلطان حسین نے کہا ۔ " صبح مجھے وقار آباد الیکشن کی ایک میٹنگ میں جانا ہے ۔ "

" ہم لوگ اتنی دیر سے یہاں اکٹھے کھڑے تھے ۔ اگر کسی ہندو کا بچہ ہے تو اکرم میاں ہی نہیں ہم سب بھی مارے جائیں گے ۔ کیا پتہ صبح تک دنگے شروع ہوجائیں ۔ "

مولانا ہاشمی جلدی جلدی گھر کی طرف بھاگے ۔
مکرجی نے چاروں طرف دیکھا ۔۔۔۔ وہ اکیلے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے ۔ سب اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے تھے ۔

" اب پولیس مجھے رات بھر حوالات میں بند رکھے گی ۔ ممکن ہے اس بچے کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگا کر کورٹ تک جانا پڑے ۔ برسوں مقدمہ چلے گا ۔ اتنے دنوں میں جانے کون سی پارٹی کی گورنمنٹ آجائے گی ۔ مجھے جیل میں ڈال دیں گے ۔ نرملا اتنی ٹھنڈی رات میں اکیلی سورہی ہے ۔ "

آج میں نے اس ایڈیٹر کو لکھا ہے ۔

" میرے لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میری لکھی ہوئی ایک سطر، ایک حرف، کسی کو سچ بولنے کی طاقت دے ۔ چور کو مجرم کہنے کا حوصلہ دے ۔ "

" مگر ایسے لوگ مجھے اپنے آس پاس نظر نہیں آتے ۔۔۔۔ "

" کل نرملا کا میڈیکل چیک اپ کروانا ہے ۔ ایک کہانی کب سے ادھوری ادھوری ہے ۔ " انہوں نے آہستہ سے کار کا دروازہ کھول کر باہر جاتے ہوئے سوچا ۔۔۔۔۔۔

" شاید اب میں بھی کسی کو نظر نہ آؤں ۔۔۔۔۔۔۔ "

جب مکرجی گہری نیند میں ڈوب گئے تو ایسا لگا جیسے کسی نے بیل بجائی ہے ۔

" کون آیا ہے ۔۔۔۔ " نرملا ڈر کے مارے ان سے لپٹ گئی ۔

انہوں نے گھبرا کے دروازہ کھولا ۔۔۔ پولیس والے اسی بچے کی لاش لے کر آئے تھے ۔

" بتاؤ ۔۔۔ یہ کس کی لاش ہے ۔۔۔۔۔۔ ؟ "

انہوں نے دروازہ بند کیا۔ لائٹ آف کی۔ بستر پر آکر لیٹے تو نرملا نے کروٹ بدل کر پوچھا۔

"کس کی لاش تھی وہ ......؟"

"میرے ضمیر کی....." مکرجی نے لحاف میں منھ چھپالیا......

•••

لٹیرا

روشن نے دنیا کی ہر اہم چیز ہمیں سونپ دی تھی ۔ آپ ہی سوچیے !
یہ تصور بھی کتنا خوبصورت ہے کہ دنیا کے کسی انسان کی نظر میں ہم اس کائنات کے مالک ہیں ۔ یوں لگتا ہے جیسے ٹانگوں میں کسی نے اونچے بانس باندھ دیئے ہوں ۔ ممی تو دولت کے اس نشے میں چور ، تھرک تھرک کر چلنے لگی تھیں ۔

روشن دنیا کی ہر خوبصورت اور اہم چیز اٹھا اٹھا کر مجھے دے رہی تھی ۔
اور میں اس سے نفرت بڑھائے جاتی ۔

میں نے کئی بار کوشش کی کہ ممی روشن اور اس کی ماں مالن بی کو نکال دیں ، مگر وہ دونوں ماں بیٹی اس گھر کے مکینوں کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگی تھیں اور جب بہتا ہوا خون کہیں رک جائے تو ہیمرج یا ہارٹ اٹیک ہوسکتا ہے ۔ کسی دن مالن بی کام کرنے نہیں آتیں تو ممی کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے ۔ ذرا سی محنت کرتے ہی گھبرا جاتی ہیں ۔

دس بارہ سال پرانے نوکر گھر والوں کے ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں ۔ یہ

بات صرف مالن بی جانتی تھی کہ ڈیڈی کے کھانے میں کتنا نمک، کتنی چکنائی ہونا چاہیے۔ پھر ممی کی بچی کے سمان ادائیں، بچوں کا کام، دھوبی کا حساب، دودھ اور سبزی والے سے لڑائی جھگڑے، شانو اور چھوٹو کے نخرے، میری فرمائشیں، سب سے نبٹنا مالن ہی کا کام تھا۔ ممی تو اب چائے بنانا بھی بھول گئی تھیں۔ حالانکہ ڈیڈی کے دوستوں میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت اچھے کھانے بناتی ہیں۔ ممی اب گھر بار مالن بی کے حوالے کر کے اطمینان سے ڈیڈی کے ساتھ شہروں شہروں کی سیر کرنے نکل جاتیں۔ پھر شام کو کلب جانا۔ مجھے ان دونوں سے بڑی چڑ تھی۔ میں چاہتی تھی گھر میں کوئی اسمارٹ سا کُک ہو۔ بد صورت میلے کچیلے کپڑے پہنے، پھٹی ساری سے سر ڈھانپے، ہمارے اتنے ماڈرن کچن میں کھڑی ماما کتنی بری لگتی تھی۔ میرے دوست مذاق اڑاتے۔
"شمی! جی چاہتا ہے تمہاری اس اینٹک ماما کو کسی شوکیس میں سجادیا جائے۔"

پھر ساتھ میں روشن کا دم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا، روشن ٹوٹی رکابی تھامے، صحن میں بیٹھی مجھے گھورتی رہتی تھی۔ وہ میری ہم عمر تھی۔ بے حد کالی، بدشکل، موٹی بھدی۔ اسے کچن میں یا وارنڈے میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سب کے کھانے کے بعد جھوٹی پلیٹیں پونچھ کر مالن بی اس کی رکابی میں ڈال دیتی تھی۔ جھوٹی ہڈیاں، بریڈ کے ٹکڑے، کیلے کے چھلکے، وہ سب چیزیں خوب مزے لے لے کر کھاتی تھی کہ اب میرے گھورنے کی باری آجاتی۔ میں اسکول کا یونیفارم پہنے، کاندھے پر بیگ لٹکائے، ورانڈے میں کار کا انتظار کرتی تھی۔ لیکن میری نظریں روشن پر ٹک جاتیں۔ جب ہم نے کھایا تھا تو یہ کھانا اتنے مزے کا نہ تھا۔ وہ کیسے چٹخارے بھر رہی تھی۔ میں اسے ہر وقت ڈانٹتی رہتی تھی۔ اس کی چوریاں اور غلطیاں ڈھونڈے جاتی۔ مگر میری اس ڈانٹ پھٹکار کے

باوجود وہ ہر وقت میری خوشامد کیے جاتی تھی ۔ اس کی ماں کہتی تھی یہ تھوڑی سی پاگل ہے ۔ اس کا باپ بھی ایسا ہی سنکی ہے ۔ شراب پی کر سڑکوں پر گھومتا پھرتا ہے ۔ اسکول جاتے وقت میرا بیگ اٹھاکر کار میں رکھنا اور آتے ہی مجھے دیکھ کر تالیاں بجانا روشن کے فرائض میں داخل تھا ۔ کبھی وہ میرا اسفید جوتا چھولیتی تو میں اسے ڈانٹ دیتی تھی ۔

ورانڈنے تک آکر وہ رک جاتی تھی ۔ کیونکہ اسے اوپر آنے کی اجازت نہیں تھی ۔ کیا پتہ کوئی چیز اٹھالے ۔ ان نیچ ذات والوں کا کیا بھروسہ !

اس کے باوجود ممی مالن بی کو پورا گھر بار سونپ کر لندن اور پیرس کی سیر کرنے نکل جاتی تھیں ۔ ممی اپنے دوستوں سے انگریزی میں کہتیں ۔ یہ جھونپڑیوں میں رہنے والے سب لٹیرے ہوتے ہیں ۔ پھر بھی یہ عورت آج کل کے نوکروں سے بہتر ہے ۔

مگر مالن بی پر وہ ہر وقت احسان جتاتی رہتی تھیں کہ اس کے آوارہ شوہر کی وجہ سے انھوں نے مالن بی کو گھر میں پناہ دی ہے ۔ اور پھر روشن مفت میں پل رہی ہے ۔ اگر آج ممی انہیں نکال دیں تو در در بھیک مانگنا پڑے گی ۔ جوان بیٹی کے ساتھ ۔ اسی لیے بغیر تنخواہ دیئے ممی نے روشن کو بھی چھوٹے موٹے کام پر لگا دیا تھا ۔ بچوں کے کپڑوں پر استری کرنا ، گھنٹی کی آواز پر گیٹ کی طرف دوڑنا ، ڈرائنگ روم میں چائے لے جانا ، چھوٹی موٹی چیزیں لانے بار بار بازار کے چکر ... روشن یہ سب کام بڑی خوشی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر کرتی تھی ۔ بڑی احتیاط کے ساتھ ۔ جیسے ممی نے یہ کام اسے سونپ کر کوئی اعزاز بخش دیا ہو ۔

ایک دن میں اسکول سے آئی تو دیکھا ، لان کے بیچ والی روش کی مٹی اکٹھی کر کے روشن نے بہت خوبصورت ننھا سا گھر بنایا تھا ۔ چھوٹی چھوٹی ڈالیاں توڑ کر ننھا سا باغ لگایا تھا اور اب مہترانی کی لڑکی امولی کے ساتھ بیٹھی

بڑے جتن کے ساتھ مٹی کے ننھے ننھے برتن بنارہی تھی۔

"ارے ! تو نے ہمارے لان کی مٹی کیوں لی ... ؟"

میں نے لات مار کے اس کا بنایا ہوا گھر توڑدیا۔ اتنا اچھا گھر روشن کا ہو، میں یہ بات برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ روشن سہم گئی۔ مٹی میں سنے ہوئے ہاتھ جھٹک کر وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑی ہوگئی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اتنا خوبصورت گھر توڑ دینے پر مجھے بھی دکھ ہوا تھا۔

"خبردار جو پھر کبھی ہمارے باغ کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا۔"

ننھی ننھی ڈالیوں سے سجایا ہوا باغ بھی میں نے سینڈل سے روند ڈالا۔

"چل روشن ! اپن ریڈی صاب کے لان میں کھیلیں گے" اسکی سہیلی امولی نے گیٹ کے باہر جاکر پکارا۔

"نہیں۔" میں زور سے چلائی۔ "ریڈی انکل کا لان بھی ہمارا ہے۔ تم دونوں وہاں گئیں تو میں خوب مارونگی۔"

یہ سن کر مہترانی کی چھوکری نے میرا منہ چڑایا اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ لیکن روشن بڑے تعجب سے منہ کھولے مجھے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے آنسو پونچھ کر پوچھا۔ "ریڈی صاحب کا لان بھی آپ کا ہے ؟ یہ سب گھر بھی آپ کے ہیں نا۔ یہ سب پھول، مٹی، ہر چیز آپ کی ہے ... ؟"

"ہاں اور کیا ... ؟" میں نے بڑے غرور سے ایک شہزادی کے انداز میں جواب دیا۔ دوسرے روز میں اپنے کمرے میں ہوم ورک کررہی تھی تو روشن نے کھڑکی سے جھانک کر کہا۔ "شمی بی بی جلدی آیئے، ایک لڑکا آپ کی سڑک پر پیشاب کررہا ہے۔"

مجھے بہت ہنسی آئی۔ یہ احمق سمجھتی ہے کہ اس کالونی کی سڑکیں بھی ہماری ہیں۔

شام کے کھانے پر میں نے می کو یہ بات سنائی تو سب بہت ہنسے ۔ خاص طور سے می تو بہت خوش ہوگئیں ۔ می میرے چچا کے مکان کے ایک حصے کے لیے دس برس سے مقدمہ لڑ رہی تھیں ۔ اب اچانک اتنی دولت مل جانے کے تصور ہی نے انہیں مالا مال کر دیا ۔ اصل میں می کو لوگوں پر رعب ڈالنے کا بہت شوق ہے ۔ وہ اپنے ملنے والوں ، دوستوں پر ہر وقت رعب جھاڑتی رہتی ہیں کہ "عابڈس" پر فرنیچر کی دکان ہمارے رشتے داروں کی ہے ۔ اس کالونی کے سب خوبصورت مکان ہماری فیملی کے ہیں ۔ وہ جو سڑک پر سرخ ماروتی جا رہی ہے ، وہ ہماری ہے ۔

زمین پر بیٹھی ، جھوٹے چاول کھاتے میں روشن می کی باتیں بڑے غور سے سنتی تھی ۔ نیچے گرے ہوئے چاولوں کے ساتھ ساتھ می کی تمام باتیں بھی چن چن کر اس نے اپنے دل میں سجالی تھیں ۔ می کا رنگوں میں ڈوبا چہرہ ، پنسل کی نوک جیسی ایڑی والی سینڈلز اور جگ مگ کرتی ساڑیاں روشن کو بہت اچھی لگتی تھیں ۔ وہ می کو بڑے شوق سے دیکھے جاتی ۔ جب می کار اسٹارٹ کر کے چلی جاتی تھیں تو وہ گیٹ بند کر کے کہتی ... "آہا ... ابھی تک بیگم صاحب کی خوشبو آ رہی ہے ۔"

شام کو جب ٹی ۔ وی پر پروگرام شروع ہوتے ہیں تو روشن دور آنگن میں زمین پر بیٹھی بڑی دلچسپی سے سارے پروگرام دیکھتی ... کس دن کس وقت کونسا پروگرام ہوتا ہے اور اس میں کام کرنے والے کون ایکٹر ہیں روشن کو سب یاد تھا ۔ کئی بار ڈیڈی نے می سے کہا کہ باہر بہت سردی ہے روشن کو کمرے میں بیٹھنے دو ۔ مگر می نے منہ بنا کر انکار کر دیا ۔ می کا خیال تھا کہ غریب لوگوں کو سردی نہیں لگتی ... جبھی تو وہ سوئیٹر پہنے بغیر آرام سے پھرتے ہیں ۔

ٹی ۔ وی پروگرام دیکھ دیکھ کر روشن کو بہت سے فلم اسٹاروں کا نام معلوم

ہوگیا ہے ۔ راجیش کھنہ اسے بہت پسند ہے ۔ جب کبھی کسی اچھے مرد کی بات ہوتی تو وہ کہتی ۔ " بالکل راجیش کھنہ کی صورت ہے وہ ۔ " امولی اس کی پکی سہیلی تھی ۔ دوپہر کو وہ دونوں میرے کمرے کی کھڑکی کے نیچے بیٹھی " پیچ گٹے " کھیلتیں یا کروشیا پر رنگیں دھاگوں سے بیلیں بنتی تھیں ۔ روشن خوب شیخی بگھارتی ۔

" امولی ! تمہیں معلوم ہے ہماری شمی بی بی کی شادی عامر خاں سے ہوگی ۔ "

" چل جھوٹی " ۔ امولی ہماری بڑائی اور شان و شوکت کو بالکل نہ مانتی تھی ۔

" ارے سچی ! تیرے کو معلوم بیگم صاحب کی دوستی امیتابھ بچن سے بھی ہے ۔ اب شمی بی بی کی شادی ہوگی نا تو مادھوری ڈکشت ناچنے کو آئے گی ۔ "

" مادھوری ڈکشت ... ؟ " امولی نے تعجب سے کہا اور پھر روشن کی خوشامد کرنے لگی ۔

" روشن ! مادھوری ڈکشت کا ناچ میں بھی دیکھوں گی ۔ "

" ہوَ ، تو وہاں جھاڑو دینے کے بہانے آجانا ۔ "

ایک دن روشن نے اپنا آنچل کھول کر فرش پر بکھیر دیا ۔ ٹوٹی چوڑیوں کے نگ ۔ ان میں موتی ، کپڑوں سے جھڑجانے والی چمکیاں اور رنگین بٹن ۔ وہ فرش پر سب بکھیر کر اچھی اچھی چیزیں الگ کر رہی تھی ۔

" امولی ! تیرے کو معلوم یہ چمکدار چوڑیوں کے ٹکڑے شمی بی بی کے ہیں " وہ سب خوبصورت چیزیں میرے حساب میں شامل کررہی تھی ۔ میرے ہر حکم کی تعمیل اس پر واجب تھی ۔ ایک دن وہ دوڑتی ہوئی آئی ۔

" بی بی ، وہ جو خوبصورت سے صاحب سڑک پر جارہے ہیں وہ آپ

کے دوست ہیں نا ؟" افوہ ، اتنی گرمی میں یہ چھوکری سڑکوں پر جانے والے خوبصورت لڑکوں کو گھورہی ہے ۔

" روشن اندر آکر ذرا میرے کپڑوں پر استری تو کردے ۔"

" آپ کے کمرے میں آجاؤں ...؟" اس نے تعجب سے پوچھا ۔

اس کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ میں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا ۔ پاگلوں کی طرح وہ چاروں طرف دیکھنے لگی ۔ " آپ کے کمرے میں گرمی کیوں نہیں ہے ؟ اتنی ٹھنڈ کیسے ہورہی ہے ؟ " وہ چھت پر دیکھنے لگی جہاں پنکھا بند تھا ۔

" میں نے کمرہ بند کر کے یہ مشین کھول دی ہے نا تاکہ ٹھنڈی ہوا کمرے سے باہر نہ جائے ۔" میں نے اسے ایئر کنڈیشنر کا کام سمجھایا ۔

" اچھا ؟ " اس نے تعجب سے کہا " ٹھنڈی ہوائیں بھی آپ کی بات مان لیتی ہیں ... ؟ " مجھے ہنسی آگئی اس کی ماں کہتی ہے روشن پر کوئی سایہ ہے ۔ جبھی تو وہ ہر وقت ہنسے جاتی ہے ۔ تھوڑی سی پاگل لگتی ہے ۔

وہ میرے کمرے کی چیزوں کو یوں چھورہی تھی جیسے انہیں کوئی دکھ نہ دینا چاہتی ہو ۔ میں ممی ہر وقت سب پر خوب رعب جماتی رہتی ہیں اپنے اختیارات کا ۔ کھلنے والے پھولوں اور چلنے والی ہواؤں کو بھی ممی روک سکتی ہیں ، اس بات کا اندازہ مجھے اس دن ہوا جب ممی نے بڑے سکون کے ساتھ مجھے حکم دیا کہ خالد سے میں اب کبھی نہ ملوں ۔ خالد ایک آرٹسٹ تھا ۔ بہت مشہور آرٹسٹ جس کی شہرت ملک سے باہر بھی پہنچ چکی تھی ۔ بڑا لاابالی سا نوجوان ، بے حد سادگی پسند ، کھلے دل و دماغ کا آدمی ، اپنے آپ میں گم ، اپنی شہرت سے لاپرواہ ، کلب میں اس کا ریسیپشن ہوا تو ممی سب سے آگے تھیں ۔ اس رات کھانے پر ممی ڈیڈی سے بحث کیے گئیں کہ آرٹ کا ہماری زندگی سے کتنا گہرا تعلق ہے اور آرٹسٹ لوگ کتنے عظیم ہوتے ہیں ۔

ڈیڈی بچارے بزنس مین دو اور دو چار سے زیادہ کچھ نہ سوچتے ۔ وہ اپنے آفس میں ستارے کی طرح جگمگاتے تھے ۔ مگر گھر میں جب ممی طلوع ہوتیں تو اپنا سارا اجالا سمیٹ کر غروب ہوجاتے تھے ۔ ان کے سوچنے ، بولنے اور خوش ہونے کے سارے حق ممی کی مصلحتوں کے لاکر میں بند رہتے تھے ۔ ممی جتنا کہتیں ڈیڈی اتنا ہی بولتے ۔ جیسا کہتیں ویسا ہی کرتے ۔ روشن ٹھیک کہتی ہے ، اس کائنات میں ہر چیز ممی کی ہے ۔

پھر ایک دن ممی خالد سے مجھے ملانے لے گئیں اور جب وہ پہلی بار میرے ساتھ گھر آیا تو ممی خوشی کے مارے کھل اٹھیں ۔ بلا ضرورت انھوں نے اپنے کئی دوستوں کو فون کر کے بتایا کہ اس وقت انکے گھر میں ملک کا ایک مشہور آرٹسٹ بیٹھا ہے ۔

ممی کو غیر معمولی چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں ۔ خالد کو ایک کپ چائے پلانے کے بعد انھوں نے فوراً ڈرائنگ روم کے لیے ایک پینٹنگ کی فرمائش کرڈالی ۔ اس کے لیے انھوں نے بڑی سے بڑی قیمت کا آفر کیا ۔ میں سامنے بیٹھی تھی اس لیے خالد نے اپنی پینٹنگ کی قیمت مقرر کرلی ۔ ممی اس فن میں ماہر ہیں ۔ کس سے ، کس وقت کس طرح کچھ حاصل کرنا چاہیے ، یہ بات ممی اچھی طرح جانتی ہیں ۔

اس دن ممی بار بار مجھ سے کہہ رہی تھیں ۔

" شمی ! خالد صاحب کو اپنا گھر دکھاؤ ۔ اپنی نظمیں سناؤ ، اپنے گارڈن میں لے جاؤ ... " میں نے خالد کو اپنا گھر دکھایا ۔ اپنا کمرہ دکھایا ۔ اپنی شاعری سنانا چاہی ... مگر وہ کچھ سنیں بھی ... وہ تو صرف مجھے دیکھتے رہے ۔ یہ آرٹسٹ لوگ جانے کہاں جیتے ہیں ۔ ان کا کوئی اور چھور نہیں ہوتا ۔ ان سے ملو تو انسان نیچے ہی نیچے کہیں چلا جاتا ہے ، گھپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے مگر کہیں راہ سجھائی نہیں دیتی ۔

میرا دم گھٹنے لگا۔ میں گھبرا کے خالد کو تھامنا چاہتی تو وہ ہیولا سا بن جاتا مجھے ایسا لگتا جیسے میرے اندر جو کڑواہٹ، خود سری تھی، وہ ہلکے ہلکے میٹھے میٹھے رنگوں میں گھل کر ایک ندی سی بن گئی ہے۔ رنگوں، امنگوں اور بھاوناؤں کی ندی جس میں ڈوب کر میں ابھرنا نہیں چاہتی۔

ڈرائنگ روم میں خالد کی پینٹنگ لگ گئی، اس پینٹنگ کو دکھانے کے لیے ممی نے ایک شاندار پارٹی کی جس میں شہر کے تمام معزز مہمانوں نے مان لیا کہ ملک کا اتنا مشہور آرٹسٹ بھی ہمارا ہے۔ اس کے بعد ممی کو بار بار خالد کا گھر آنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ کئی بار میں گھر میں ہوتی لیکن خالد آتے تو ممی روشن سے کہتیں، "کہدو گھر میں کوئی نہیں ہے۔"

اور میں گھبرا کے ممی کو دیکھتی، وہ کتنی آسانی کے ساتھ میرے وجود سے انکار کر دیتی تھیں۔

"بڑے گندے ہوتے ہیں یہ آرٹسٹ۔ بچارے نچلے طبقے کے لوگ۔ سگریٹ تک پینے کا سلیقہ نہیں۔ سارا ڈرائنگ روم گندہ کر جاتے ہیں۔"

اور میں روشن کی طرح منہ کھولے ممی کی طرف دیکھنے لگی۔ اب مجھے یقین سا ہونے لگا کہ چلتی ہواؤں کو روکنے کی طاقت بھی ممی کے پاس ہے۔

"لوگ تمہارے اور خالد کے بارے میں کچھ کہیں یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" ممی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

مگر مجھے اچھا لگتا ہے ممی ! میں ممی سے کہنا چاہتی تھی کہ خالد نے مجھے اپنے رنگوں میں گھول دیا ہے اب میرا اپنا کوئی رنگ ہے نہ وجود پھر ہم لوگوں سے کیوں ڈریں... !

لیکن روشن ٹھیک کہتی ہے۔ وقت بھی ممی کا کہنا مانتا ہے۔ ہوائیں ان کے اشارے پر چلتی ہیں۔ جبھی تو میں بھی ایک نظر نہ آنے والی ڈوری سے بندھی ممی کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ پھر ایک دن خالد اوٹی جانے کے لیے

دو ٹکٹ لے کر آیا تو میں نے آہستہ سے کہا خالد ! ممی کو ہمارا یوں گھومنا پھرنا اچھا نہیں لگتا ۔ لیکن ۔ اگر تم ... تم کہو تو میں ..." خالد نے ٹکٹ پھاڑ دیے ۔ سگریٹ منہ میں رکھ کر ماچس جلائی کچھ دیر اس کے جلتے ہوئے شعلے کو دیکھتا رہا ۔ پھر بجھادی ...

میرے بدن پر تو جیسے فالج گر گیا ... میں اپنے بے جان بدن کو گھسیٹتی ہوئی گھر آئی تو ممی مالن بی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں ۔ روشن کی شادی کا ذکر چل رہا تھا ۔ ایک درزی کا پیغام تھا ۔ رنڈوا ہے ۔ چار بچوں کا باپ ... ایک حجام ہے ۔ پہلے سے ایک بیوی اور چھ بچے گھر میں موجود ہیں ۔ ایک جمال ہے ۔ روشن کا پڑوسی ۔ کوئی آگے نہ پیچھے ۔ ذات برادری کا پتہ نہ گھر ٹھکانہ ۔ لوگ کہتے ہیں لٹیرا ہے ۔ وہ کہتا ہے روشن سے نکاح نہ کیا تو اسے زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا ۔ سب ہنسنے لگے ... ممی کو غصہ آگیا ۔

" دس برس کے لیے جیل میں سڑوادوں گی اس لٹیرے کو ۔ ڈی ایس پی صاحب روز کلب میں آتے ہیں ... " ہاں ، شاید لوگ نہیں جانتے کہ ممی حق کے لیے ان لڑنے والوں میں سے ہیں جو کسی اور کو سولی پر چڑھا سکتے ہیں ۔

میں نے پلٹ کر دیکھا ۔ ورانڈے میں جھاڑو لگاتے لگاتے روشن رک کر بڑے غور سے ممی کی باتیں سن رہی تھی ۔

" ارے میں اس کو بہت ڈراتی ہوں بیگم صاحب کتنی بار بولی کہ ہماری بیگم صاب کسی منسٹر کو بول کے تیرے کو حوالات میں ڈال دیں گی ۔ مگر وہ لٹیرا بڑا ضدی ہے ۔ اجاڑ صورت ۔ شام ہوتے ہی کتے کے جیسا دروازے پر آ کھڑا ہوتا ہے ۔ "

" اس لٹیرے سے کہدو کہ شہر کے تمام غنڈے ہماری مٹھی میں ہیں ۔ جب کہو اسے ٹھکانے لگادیں گے ۔ "

ہاں ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں روشن ! میں نے سہمی ہوئی روشن سے

کہنا چاہا ... تو تو جانتی ہے نا، اس کائنات کو چلانے اور روکنے کی چابیاں ممی کے پرس میں ہیں۔

اتنے چھوٹے لوگوں کی ایسی باتوں پر ممی کو بہت غصہ آتا ہے جو انہیں پسند نہ ہوں۔ اور اگر روشن کی شادی ہو گئی تو مفت میں کام کرنے والا دوسرا نوکر کہاں ملے گا۔ ممی کی لاکروں میں چھپائی ہوئی مصلحتیں اور بغیر سود ادا کیے پوری کی جانے والی خواہشوں سے صرف میں واقف تھی۔

تھوڑی دیر بعد ممی کا بلڈ پریشر بڑھ گیا اور انجائنا کے درد سے وہ ہانپنے لگیں۔

کئی دن بعد ...

میں اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ مگر روشن کی سسکیوں نے اٹھا دیا وہ میرے کمرے کے سامنے جھاڑو گود میں رکھے رو رہی تھی۔

"کیوں رو رہی ہے۔ ! کیا ہوا ... ؟"

روشن بڑی دیر تک روتی رہی پھر سسکیاں روک کر بولی۔

"مجھے۔ مجھے ڈر لگتا ہے شمی بی بی ... ؟"

"ڈر لگتا ہے۔ ؟ کس سے ؟ میں آج پہلی بار روشن سے اس طرح باتیں کر رہی تھی۔

"وہ کہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے وہ کیا کہتا ہے ؟"

روشن بے حد خوفزدہ سی تھی۔

"ہاں، بتانا مجھے، وہ تجھ سے کیا کہتا ہے ؟"

روشن اور جمال کے عشق کا مزیدار حال میں سننا چاہتی تھی۔

"بی بی ... وہ کہتا ہے میں بیگم صاب سے نہیں ڈرتا۔" روشن اپنی بات کہہ کر یوں کانپنے لگی۔ جیسے اس نے خدا کے وجود سے انکار کر دیا ہو۔ جیسے وہ اب میری لات کھانے کی منتظر ہو۔

مگر جمال کی لات تو میرا منہ بگاڑ چکی تھی۔
میرے سارے پھول، ٹھنڈی ہوائیں، نرم مٹی اور خوبصورت رنگ سب اس لٹیرے جمال نے میرے ہاتھوں سے چھین لیے تھے۔

•••

پھر میں پیدا ہوں گی

ماں کا پیٹ کائنات جیسا لا محدود تھا۔

تیزی سے گردش کرتے ہوئے اندھیروں ، اجالوں میں اچانک خون کا ایک ذرہ تھم گیا...

"کن"

اور وہ ذرہ "میں" ہو گئی۔

میں... میں... میں۔

اب خون کی اس بوند کا اپنا الگ وجود تھا۔

"کن"... اور خدا کے ایک اشارے پر میں پھول کی طرح کھلنے لگی... پوری کائنات جھوم رہی تھی... ہر طرف رنگ و نور سا بکھر گیا تھا... آسمانوں پر بیٹھے ہوئے اوتار اور زمین پر بکھرے ہوئے فن کار... سب جیسے چوکنے ہوگئے تھے۔ کائنات کی اس خوبصورت ،سب سے دلکش شے کو دیکھے جارہے

تھے ... وہ دیکھ رہی ہے ... سن رہی ہے ... اب چلنے لگی ... اب تھم گئی ...

رنگین کھلونوں سے بہلانے والا، اوپر بیٹھا کھلاڑی، جیسے ایک نئی کٹ تپلی کی ڈوری تھامے آکھڑا ہوا تھا۔

میں ایک عکس تھی اور ساری دنیا آئینہ ...

دنیا کے ان بھید بھرے تماشوں کو دیکھنے کے لیے میں بیقرار تھی ... پل پل بڑھ رہی تھی۔ سرکش۔ خودسر۔ خودمختار ... میں اپنی ہستی کو منوانے پر تلی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو اپنی ماں کے دل سے جوڑنے سے انکار کردیا تھا۔

میں ... میں ... میں ... ہر طرف یہ آواز گونج رہی تھی۔

میرے بے قرار پھڑکتے ہوئے وجود کو ایک دن ماں نے محسوس کیا تو خوشی کے مارے اسے چکر آگیا ... وہ ہر طرف دوڑتی پھری ... ہر ماں کے لیے یہ ایک ان ہونی بات ہوتی ہے، جب اس کے خون کا ایک قطرہ ایک الگ وجود بن جائے ...

ایک بہت بڑے فن کار کے غرور کو سمیٹے، وہ بستر پر لیٹ کر ایک لوری گنگنانے لگی ... دنیا کے سارے پیغمبروں، اوتاروں نے خدا کو ایک مرد کے روپ میں کیوں سوچا ...؟ اگر وہ اس وقت میری ماں کی صورت دیکھ لیتے تو انھیں خدا کا ایک نیا جلوہ نظر آتا۔ اس وقت وہ ایک مہان دیوتا کے استھان پر بیٹھی، دنیا کو نئے سرے سے سجانے سنوارنے کا حکم دے رہی تھی۔

اسے جانے کتنے کام یاد آگئے تھے ... وہ جس طرف دیکھتی، میرے لیے اس دنیا میں بے شمار کام تھے۔ اور ماں بالکل اکیلی تھی۔ خالی ہاتھ ...

مگر اب اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا سایہ اس سے لمبا ہورہا ہو۔ اس کے اوپر ٹھنڈی چھاؤں بن گیا ہو۔

باہر کی دنیا میں ہونے والی ہر آہٹ مجھے چونکا دیتی تھی۔
جب چوروں کی طرح آدھی رات کو میرا باپ میری ماں کے پاس آیا تو ماں کی ہنسی نے مجھے بھی جگا دیا تھا۔
"مجھے جانے کیا ہو رہا ہے۔ کوئی چیز میری کوکھ میں پھڑکنے لگی ہے"۔
"اچھا ... ؟ یہ کیا بک رہی ہے تو ... ؟" رات کے اندھیرے میں لڑکھڑاتا ہوا وہ دبے پاؤں آتا تھا تو اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ اس کے خون کی ایک بوند ایک دن الگ وجود بن جائے گی۔
میرے کان باپ کی آواز سن رہے تھے۔
"اسے ختم کردے" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔"
"نہیں نہیں۔ ایسا مت کہو ..." یہ میری آواز تھی جو میری ماں کے لبوں سے نکلی۔
ماں نے میرے دھڑکتے ہوئے دل کو دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔
"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے اپنا بچہ دے دو۔ میں اسی کے سہارے زندگی گزار دوں گی۔"
میری ماں اس مرد کے پیروں پر جھک گئی جو میرا باپ تھا۔
"تجھے کیا چاہیے ... یہ سوچنا میرا کام ہے"۔
اس کی بات سن کر ماں ڈر گئی۔ دنیا کے سارے اوتار، دیوتا اور شوہر عورت سے یہی بات کہتے ہیں ... اگر پوجنے والے سامنے جھک جائیں تو بھگوان کا روپ دھارنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ اور بھگوان کے فیصلے بدلنا تو پاپ ہے۔
"تجھے کیسے پتہ ہے کہ وہ لڑکا ہوگا ؟ اور پھر میری اولاد ... ؟ اس کھولی میں ؟ تیری گود میں ؟"
اس نے ماں کی کمر پر لات ماری جو میرے دل پر جا لگی۔

" میری بات سن ! اتوار کی صبح مجھے ہاسپٹل کے گیٹ پر ملنا "۔
وہ پلنگ سے اتر کے چلا گیا ...
ماں کے ہاتھ سے جیسے ساری خوشیاں چھوٹ گریں اور ان کی کرچوں سے وہ لہو لہان ہو گئی۔
وہ لڑکا ہو گا ....
ایک بیٹے کی ماں بن جانے کے رنگین سپنوں نے ساری رات ماں کو جھولے جھلائے ... وہ رات بھر اپنے من پسند نوجوان مرد کے روپ میں مجھے ڈھالتی رہی ... اس نے بے رحمی، برتری اور خودغرضی کو اپنی خواہش کی ہتوڑیوں سے کاٹ کر ایک ایسے مرد کا روپ تراشا جس کی پناہ میں وہ چھپ جانا چاہتی تھی۔
آدھی رات کو اس نے کھولی کا دروازہ کھولا تو چاند تارے اسے دیکھ کر چمک اٹھے۔
صبح وہ ہاسپٹل کی ایک لمبی میز پر لیٹی تھی۔
ڈاکٹر نے ماں کے پیٹ پر لوہے کی ایک پلیٹ رکھی تو میں گرمی کے مارے بے چین ہو گئی۔
سامنے اسکرین پر میرا عکس دکھائی دے رہا تھا۔
میں نے پہلی بار اپنی ماں کی آنسو بھری آنکھیں دیکھیں۔
" ماں ... میں یہاں ہوں۔ "
" لڑکی ہے "۔
ڈاکٹر کی آواز نے ماں کو جیسے کھولتے پانی میں ڈبو دیا تھا۔
ماں ابھی تک اسکرین کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ ایک نوجوان لڑکی کی ماں ہے۔
اب وہ دیکھ رہی ہے۔ اب ہنس رہی ہے۔ اب رو رہی ہے ... اندر

کیوں گئی ؟ باہر کیوں آئی ...؟ کہیں سوچنے نہ بیٹھ جائے .. پھر تو ماری جائے گی ...

میری طرح ایک اندھیری کھولی میں پڑی رہے گی ۔ جہاں آدھی رات کو چھپ کر کوئی آئے گا اور دن کے اجالے میں اسے پہچاننے سے انکار کردے گا ۔

ماں کا دکھ جان کر ڈاکٹر اس کے پاس آئی ۔

" کیا تمھارا مرد لڑکی نہیں چاہتا ... ؟ کوئی بات نہیں ۔ میں اسے سمجھادوں گی " ۔

" وہ یہاں نہیں آئے گا " ماں نے روتے ہوئے کہا ۔

اتوار کے دن وہ ماں کو زبردستی ہاسپیٹل کھینچ کر لے گیا اور ڈاکٹروں کی طرف دھکیل دیا ۔

" اتنا کیوں رو رہی ہے پاگل عورت ؟ "

بوڑھی نرس ماں کو زبردستی میز پر لٹارہی تھی ۔

" اسے تو ان تمام دکھوں سے مکتی مل جائے گی جو وہ جیون بھر سہتی " ۔

سسٹر کی بات سن کر ماں تھوڑی دیر کے لیے شانت ہوگئی ۔ اسے شاید وہ سارے دکھ یاد آگئے جو عورت ہونے کی سزا میں ملے تھے ۔

" میری بچی زندہ ہے ۔ تم اسے مار ڈالو گے ۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردو گے " ۔

ماں زور زور سے چلارہی تھی ۔

" ہم صرف ایک انجکشن دیں گے ۔ وہ موم کی طرح پگھل جائے گی " ۔

ڈاکٹر ماں کو تسلی دے رہا تھا ۔

وہ چاروں طرف سے ماں کو گھیر چکے تھے ۔ انھوں نے اپنی اپنی مصلحتوں کے ماسک سے اپنے چہرے چھپالیے تھے ۔ اور اپنے ہاتھ ایسے

دستانوں سے ڈھانپ لیے تھے جو ان کے ہاتھوں پر کسی کے خون کا ثبوت نہیں دے سکتے۔

خوف سے کانپتی ہوئی ماں دیکھ رہی ہے...

وہ مجھے موم کی طرح پگھلا دینے کا فن جانتے ہیں۔

وہ میرا دل اور دماغ نکال پھینکیں گے۔ جس کی انھیں ضرورت نہیں ہے۔

پھر میں پیدا ہوں گی...

...

بھاگو ..... بھاگو

انتقام کے اندھیرے میں ساری گلیاں سارے شہر ایک ہوگئے تھے ۔

مارو ... مارو ... بھاگو ... بھاگو ...

لوگوں کی آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں ... انتقام کے اندھیرے میں ساری گلیاں ، سارے شاہراہ ایک ہوگئے تھے ... آشا کہاں جاتی !

وہ اپنے دونوں بچوں کا ہاتھ تھامے چاروں طرف دیکھتی ... پناہ کہیں نہیں تھی .. آج سے پہلے ننھے بچوں کے آگے سے ان کا مستقبل اس طرح کسی نے نہیں چھینا تھا .... میرے بچوں پر حملہ کرنے والے آرہے ہیں ...

مارو ... مارو ... بھاگو ... بھاگو ...

آشا وہ سب راستے جانتی تھی ، جو دل کے یقین سے پھوٹتے ہیں ... وہ دیکھ رہی تھی کہ بے شمار سمتوں میں پھیلی ہوئی ان سڑکوں کے انت پر کہیں نہ کہیں روشنی کا پڑاؤ ہے ۔ جب ہی تو سب چل رہے ہیں ۔ دنیا کے تمام فلاسفر ، آرٹسٹ ، ادیب اور سائنٹسٹ ... سب اسی راہ کی کھوج میں ہیں ... وہ راہ جس

میں بے شمار ظلم جنم لیتے ہیں، جنھیں ہم روا رکھتے ہیں کیوں کہ لاکھوں برسوں کی کھوج کے بعد آشا کے سائنٹسٹ شوہر سلطان نے، سمندروں کا جو مت نچوڑا تھا وہ کوئی راکشش پی گیا۔ اب ساری دنیا کے سمندروں میں پس بھرا تھا مگر آشا کے آنے والے بچے، راہول اور چٹی جیسے اس بات نہیں مانتے تھے ... وہ تو یہ حق مانگتے ہوئے آئے تھے کہ خوشی کا خوش ذائقہ پھل، دنیا کے تمام مذہبوں اور دستوروں کا وعدہ ہے .... وہ پلٹ کر ان لوگوں کا حشر کیوں نہیں دیکھتے جو اس حق کو مانگنے والوں کا ہوا ...؟ ماں بننے کے بعد آشا خطروں میں گھر گئی تھی حالانکہ فلسفہ پڑھنے کے باوجود وہ کبھی تشکیک میں نہیں الجھی تھی۔ وہ تو کالج میں ہسٹری پڑھاتی تھی۔ پانچ برس میں اس نے پانچ سو طالب علموں کو بھارت کی تاریخ پڑھائی تھی یورپ کی تاریخ، یونان اور روما کی تاریخ ... عربوں کی فتوحات اور روس کا انقلاب ... اس نے تمام دنیا کے ادب کی بہترین کتابیں پڑھی تھیں اور ہر مذہب کے بنیادی عقیدے کو سمجھتی تھی۔

پھر بھی اسے شک تھا کہ لوگ اس کے بچوں کو مارنے آرہے ہیں.. ہر طرف سے گھیراؤ کیے ہوئے ہیں...

مارو ... مارو ... بھاگو، بھاگو ... چاروں طرف سے یہ آوازیں گونجتی تھیں۔

کالج میں فائرنگ ہو گئی ... پانچ لڑکے مارے گئے۔ پانچ برس کی لڑکی کی جبری توہین ... مراد آباد میں فرقہ وارانہ فساد ... علی گڑھ میں قتل عام ... دہلی میں بچوں کا اغوا ....

اخبار آشا کے ہاتھ میں کانپنے لگتا ... وہ کون سے راستے سے راہول کو اسکول بھیجے گی۔ چٹی کو کیسے محفوظ رکھے گی...؟

سارے راستے ساری گلیاں، انتقام کے اندھیرے میں ایک ہو گئی تھیں۔ پناہ کہیں نہیں تھی۔

مارو ..... بھاگو ..... ہر طرف یہی آوازیں گونجتی تھیں ۔

سوجاؤ .... ہر وقت ایسے بھیانک خواب دیکھنا چھوڑدو .... سلطان اسے راتوں میں تھپکیاں دیتا تھا .... اس کا سائنٹسٹ شوہر جسے اس سال وگیان کا سب سے بڑا ایوارڈ ملا تھا ۔ وہ خلا میں روبنی بھیج چکا تھا ..... مگر پہلے اپنے بچوں کے پیر تو زمین پر ٹکا دیتا .... !

دشمن گھات میں تھا .. ننھے ننھے بچے چھپتے پھر رہے تھے ....

بچاؤ .... بچاؤ .... مگر انتقام کے اندھیرے میں سارے راستے ، ساری گلیاں ایک ہوگئی تھیں ....

آشا ہر رات تمام دروازے ، کھڑکیاں بند کر کے سونے کی عادی تھی ۔ پھر بھی سلطان کے بہکاوے میں آگئی ۔ .... سلطان سائنٹسٹ تھا ۔ اس لیے اسے دنیا سے بڑی آس لگی تھی ۔ پھر جب راہول نے ان کے دروازے پر دستک دی تو سلطان خوشی کے مارے اچھل پڑا .... لو ، وہ آگیا جو نئے چاند ، نئے سورج ڈھونڈ نکالے گا ..... وہ دنیا میں پھیلی ہوئی اس خود غرض اور بے رحمی کا علاج اپنے ساتھ لائے گا .... میرا بیٹا .... میرے آنے والے دن کا اجالا ....

اتنے اہم انسان کی تشکیل کتنا جان جوکھوں کام تھا ۔

اب آشا کو ساری دنیا سنوارنے کی فکر ہوگئی ... دھوپ تیز نہ ہو بارش تھم جائے ۔ کسی نئی لڑائی کی بنیاد نہ پڑے ... کالونی میں کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہو ، وہ روز اخبار بڑے دھیان سے پڑھتی ... خبریں بڑے غور سے سنتی ....

مارو .... مارو .... بھاگو .... سارے اخبار میں ایک ہی خبر پھیلی ہوئی تھی ۔ یہ آوازیں گونج رہی تھیں .... قاتل ہر طرف دوستوں کا سوانگ بھرے گھوم رہے تھے .... ساری گلیاں ، سارے شہر انتقام کے اندھیرے میں ایک ہوگئے تھے ....

سلطان کو آشا کے خوف پر ہنسی آتی تھی ۔ وہ جب چھٹی مناتا تو آشا اور

بچوں کا ہاتھ تھامے بے فکری کے ساتھ گھومتا ... آگرہ، کشمیر ... دہلی ... بنگلور۔ اس نے اپنے بچوں کو بھارت کا کونا کونا دکھایا ... مگر بچے تو ان دونوں کو گھسیٹ کر "زو" لے جاتے تھے .... انھیں زو بہت پسند تھا ... سلطان اور آشا کو بھی جنگل کا پرسکون ماحول اچھا لگتا تھا ... راہول اور چنٹی مور کو چھوتے، ہرن کو اپنے ہاتھ سے پتے کھلاتے اور بن مانس کے لیے سگریٹ پھینکتے رہے۔

"ممی بندر کا بچہ شرارت کرے تو اس کی ممی مارتی کیوں نہیں ... !

" چنٹی اس کی ساری کا پلو پکڑ کر پوچھنے لگی .. پھر تو آشا کو بھی سوچنا پڑا کہ بندر کے بچے بڑے ہوکر بندر کیسے بن جاتے ہیں۔ انسان کے بچوں کو انسان بنانا تو بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ بندریا کتنے مزے میں ہے۔ اسے بچوں کو اسکول بھیجنا ہے نہ انسانیت کے سبق پڑھانا ہیں ... وہ بے فکری کے ساتھ بندروں سے عشق بازی میں مصروف ہے یہ سوچے بغیر کہ اس کا عاشق ہندو ہے یا مسلمان۔

ایک بار زو میں آشا اور سلطان کے قریب ایک امریکن جوڑا شیروں کے فوٹو لے رہا تھا۔ شیر قریب آیا تو لڑکی ڈر کے مارے لڑکے سے لپٹ گئی۔

"او ڈارلنگ، میں شیر کو اتنے پاس سے نہیں دیکھ سکتی۔"

"مگر شیر بڑا سمجھدار جانور ہے سوئیٹی۔" لڑکے نے لڑکی کو سمجھایا۔

"جب تک اسے انسان سے خطرہ نہ ہو وہ کبھی حملہ نہیں کرتا۔"

" پاگل ہے یہ امریکن ...." آشا نے ہنس کر سلطان سے کہا "کتابوں سے فقرے رٹ کر آیا ہے۔ بھلا ان خوفناک درندوں پر کوئی اعتبار کرسکتا ہے۔"

پھر ایک دن بازاروں میں ہنگامہ شروع ہوگیا۔

" اری پاگل بچوں کے ساتھ مسلمانوں کے محلے میں کیوں گھوم رہی ہے۔ گھر میں چھپ جا۔"

"کون سے گھر میں چھپ جاؤں ! کس سے کہوں کہ میرے بچے ہندو نہیں ہیں۔ ان کا باپ مسلمان ہے۔ مگر کالونی کے تو سب ہندو مسلمان ان دونوں سے ناراض تھے ... برہمن کی لڑکی اور ایک ملیچھ مسلمان کے ساتھ بھاگ گئی ... منحوس سید زادہ ایک کافر عورت کو مسلمان کیے بغیر گھر میں ڈالے ہوئے ہے ... ان دونوں کو تو سنگسار کرنا چاہیے۔"

مارو ... مارو ... پکڑو ... بھاگو ...

یوں لگا اب خدا کی بادشاہت ختم ہوگئی ہے ... انسان کی تانا شاہی کا دور آگیا ہے۔ آشا نے سلطان کو زندگی بھر کے لیے قبول کیا تھا تو صرف اپنے بارے میں سوچا تھا۔ اپنے برہمن خاندان کی برہمی اور سلطان کے سید خاندان کی بدنامی کا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا اب تو اسے یقین تھا کہ راہول ہی وہ بچہ ہے جو نئی دنیا کی نیو رکھے گا۔ کیونکہ وہ راہول ہے۔ اس کے پرکھوں نے تمام دنیا کے دکھوں کا کڑوا ذائقہ چکھا تھا۔ تاکہ وہ اصلی مٹھاس ڈھونڈیں۔ لیکن انہوں نے اپنے اوپر ہر سکھ حرام کر کے نروان پالیا تھا۔ اب بارہ یگ کے بن باس کے بعد اپنا کشکول راہول کو دے دیا ہے ... راہول کسی کی جیوہتیا نہیں کرے گا ... کسی کھیت میں نفرت کے بیج نہیں بوئے گا ... کوئی ناکامی اس کا راستہ اب نہیں روکے گی ... مگر موت تو ہر گلی میں، ہر موڑ پر اس کی تاک میں تھی انتقام کے اندھیرے میں ساری گلیاں سارے راستے ایک ہوگئے تھے ....

آشا بچوں کو لے کر بند کمرے میں بیٹھ گئی۔

کھولو ... کواڑ توڑ دو ... جلا دو ... باہر لوگ چلا رہے تھے اس کے دروازے پر پتھر اور لاٹھیاں برس رہی تھیں۔

"سوجاؤ ... سوجاؤ آشا .. تمہارے دروازے پر کوئی نہیں ہے۔"

سلطان اسے تھپکیاں دے کر سلادیتا تھا...

مگر اتنی ہا ہا کار مچی ہو تو کوئی ماں چین سے سو سکتی ہے ... سارے مارنے والے سڑکوں پر نکل آئے ہیں نا ... انھوں نے آج اپنے چہروں سے نقلی نقابیں نوچ پھینکی ہیں ۔ اب وہ نہتے بوڑھوں، بے قصور نوجوانوں اور ہنستے کھلکھلاتے بچوں کو روندتے پھر رہے تھے ۔ سارے خالی ہاتھ انسان گھروں میں بند تھے کہ قتل ہونا آج ان کے نصیب میں لکھا تھا ۔

آشا کے چاروں اور رات پھیلی ہوئی تھی ۔ ننھے بچوں کی ماں والی رات جب آکاش پر ہر طرف تارے جھلملاتے ہیں ... چاند کے لیے مچلنے والے بچے کی خاطر، چاند سچ مچ ماں کی گود میں اتر آتا ہے اور نیند کی پریاں جھولا جھلانے ننھے کو چاروں اور سے گھیر لیتی ہیں ... راہول اس کے ہاتھ پر سر رکھے لیٹا ہے ... چٹی اس کے پیٹ پر سو رہی ہے ۔ چٹی کے سنہرے بال آشا کے چہرے پر پھیل گئے ہیں ۔ چٹی کا ننھا سا ہاتھ اس کی گردن میں لپٹا ہوا ہے ...

" ممی مجھے ڈر لگ رہا ہے ... کہیں غنڈے ہماری کالونی میں نہ آجائیں .... "

ایسی بری بات مت سوچو، میری جان ... تم راہول ہو ... کیا ڈر جاؤ گے !راہول کو سلا کر وہ سوچتی ہم یہ کالی راتیں کاٹیں گے .... اجالے تک کیسے پہنچیں گے .... ؟

" ایک دن آشا نے کہا ... " ہم اپنے بچوں کو لے کر اسٹیٹس چلے جائیں گے ۔ تمہیں وہاں بہت اچھی جاب مل سکتی ہے ۔

" ہاں ۔ لیکن میں نے جو پروجیکٹ شروع کر رکھے ہیں وہ ادھورے رہ جائیں گے اور پھر وہاں کالے بچوں کی توہین کی جاتی ہے ۔ میرے بچے نفرت کا یہ عذاب کیوں سہیں ... " وہ انتظار کرنے لگی کہ سلطان کے پروجیکٹ پورے ہوں تو کیا انقلاب آجائے گا دنیا میں .... ؟

یہ سلطان کیسا بے حس ہے ۔ دن رات خلاؤں کی کھوج میں اوپر تکے

جاتا ہے ۔ اس کے لیے چاروں اور پھیلی ہوئی کائنات بڑی اہم ہے ۔ مگر آشا
ماں تھی اس کی جڑیں دھرتی میں پھیلی ہوئی تھیں ۔ جہاں سے آشا کا بیج پودا بن
کر پھوٹتا ہے ۔ جہاں سے سورج زمین کا سینہ چیر کے اگتا ہے ... سلطان کتنا
مطمئن تھا ... کتنے اعتماد کے ساتھ وہ آنے والے سو برسوں کی ریسرچ کا
پروجیکٹ تیار کررہا تھا ۔ جب کہ آشا کے لیے ہر آنے والی صبح ایک دھوکا
تھی ۔ پھراس نے طے کرلیا وہ بھی اب کسی سے نہیں ڈرے گی ۔

بھاگ جاؤ ... تم مجھے نہیں مار سکتے ... میں آشا ہوں ... میں نے
ساری دنیا کی تاریخ پڑھی ہے ۔ تم تاریخ کے ہر ورق پر راون بن کر لکھے
گئے ہو ۔ یزید بن کر پڑھے گئے ہو ۔ ہم ہر سال تمہارا شریر جلاتے ہیں ۔ تم پر
لعنت بھیجتے ہیں اور تم پھر اپنا خونخوار چہرہ لیے آجاتے ہو ۔ تم میرا کچھ نہیں
بگاڑ سکتے میں ہوم منسٹر سے ملوں گی ... میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں ....
سلطان کی بیوی ہوں ... میں مخالف فرقہ داری کنونشن کی سکریٹری ہوں ۔ تم جیسے
غنڈوں کا کیا علاج ہونا چاہیے ۔ اس پر اب تک چار سمینار کرچکی ہوں ....

مگر آشا کی پکار کون سنتا .... چاروں طرف آگ بھڑک اٹھی ۔

مارو ... مارو ... بھاگو ... بھاگو ... جلادو ...

ہیلو ... ہیلو ... غنڈوں نے ہمارے مکان کو گھیر لیا ہے ... میں مسز
سلطان ہوں ۔

اس نے ہوم منسٹر کو فون کیا ... میں وہاں آجاؤں بچوں کو لے کر ...
ہاں راستے تو بہت خطرناک ہیں ۔

ہیلو ... ہیلو ... ذرا سلطان کو خبر کردیجئے ... ہیلو ہیلو ... مارو ... مارو
(آشا کی آواز چیخ و پکار میں دب گئی)

سلطان زمین پر نہیں تھا ۔ وہ تو بس خلا میں جیتا تھا اس کے ایوارڈز اور
سمینار ، اس کا پروجیکٹ اور فرقہ واریت کے خلاف لکھے ہوئے آشا کے پیپر

سب گھر کے آنگن میں جل رہے تھے ۔ فضاؤں میں بکھر چکے تھے ... آشا بچوں کو پلو میں چھپائے بھاگ رہی تھی ... گلی کے نکڑ پر اشورناتھ کی دوکان تھی جہاں ساری کالونی کے ہندو غنڈوں کا اڈہ تھا ... دوکانوں کے پیچھے مسجد تھی، جس میں مسلمانوں نے لاٹھیاں اور برچھیاں چھپا کر رکھی تھیں ۔

پناہ کہیں نہیں تھی ... وار کرنے والے اسے ہر طرف سے گھیر چکے تھے ۔

آج .... " ساری گلیاں ، سارے راستے انتقام کے اندھیرے میں ایک ہوگئے ... "

کربلا والی رات آج پر دنیا میں اتر آئی تھی ۔

کہیں چھپ جا ... لوگ اسے صلاح دے رہے تھے ۔

بھاگو ... بھاگو .... وہ بھاگتی رہی .... یہ تو جنگل تھا ۔ نہیں " زو " تھا ... سامنے خوفناک شیر منہ پھاڑے کھڑے تھے ....

" جب تک انھیں انسان سے خطرہ نہ ہو شیر حملہ نہیں کرتا " ایک امریکن لڑکا کہہ رہا تھا ۔

اور آشا جلدی سے بچوں کا ہاتھ تھامے شیر کے پنجرے میں گھس گئی ....

اب وہ مطمئن تھی کہ درندوں کے چنگل سے نکل گئی تھی ۔

•••

پرامس

"امو، امو، ابھی آپ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔"

"ہم سمجھے کہ... کہ....." امو کے آس پاس کھڑے ان کے تینوں بیٹے، ان کی بیویاں، ان کے بچے، سب گھبرا گئے..... "امو زندہ ہیں۔ ہم سمجھے کہ.... کہ..." ہم نے ان کے مرنے کا دکھ کتنی آسانی سے سہہ لیا... امو سب کی طرف بڑے دکھ کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے نے کتنی جلدی سفید کپڑا ڈال کر امو کا منہ چھپانا چاہا.... اگر امو ہاتھ اٹھا کر چادر نہ ہٹا دیتیں تو شاید وہ سب دوسرے کمرے میں جاکر انھیں دفن کرنے کی تیاری شروع کر دیتے۔

وہ سب نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ جیسے امو نے دیکھ لیا کہ ان کے مرنے پر کسی کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں نکلے گا۔

دو برس ہوگئے جب ڈاکٹر نے کہا تھا کہ کینسر امو کے سارے بدن میں پھیل گیا ہے۔ کسی بھی وقت انھیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جب سے یہ بات ان کی دونوں بہوؤں نے سنی تھی وہ امو کا زیادہ خیال کرنے لگی تھیں۔ ہر مہینے

فون پر امو کی خیریت پوچھتیں۔ دوسری بہو امریکی تھی۔ وہ انڈیا کی گرمی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ پھر بھی وہ ہر سال آتی۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرتی تھیں۔ حیدرآباد کی سیر تفریح سے فرصت ملتی تو کسی دن امو کی مزاج پرسی بھی کرلیتی تھی۔ تینوں بیٹے ان کے علاج کے لیے بڑی پابندی کے ساتھ ڈالر اور ریال بھیجتے تھے۔ امو کے لیے بہت اچھا ڈاکٹر، بہترین علاج۔ گھر میں ہر طرح کا آرام۔ دن رات خدمت کرنے والی خواجہ بی۔ جسے دور بیٹھی بہوئیں انعام اکرام سے نوازتی رہتی تھیں۔

شکاگو میں ایک دن صبح سویرے خواجہ بی کا فون آیا۔ " بیگم صاب کی طبیعت بھوت خراب ہے۔ ڈاکٹر صاحب بولے ان کے بیٹوں کو فون کردو۔ سب کو جلدی آجاؤ بولو۔"

اس فون سے ہمارے گھر میں ہل چل مچ گئی۔ سب کے پروگرام ڈسٹرب ہوگئے۔ افوہ۔ امو ہمیشہ اسی طرح پریشان کرتی ہیں۔ بھلا یہ کوئی موسم ہے انڈیا جانے کا۔ گرمی کے مارے مرجائیں گے ہم سب۔ ان کی بہو نسیم گھبرا گئی۔

ہیلو..... ہیلو.....

چاروں طرف سے فون آنے لگے.....

نیویارک سے جمشید کہہ رہا تھا۔

" بھائی جان! خواجہ بی کا فون آیا ہے کہ۔ کہ چوبیس گھنٹے.. لیکن مجھے اس وقت لیو لینا بہت مشکل ہے۔"

" لیکن جمشید! تمہیں یاد ہے کہ ہم سب نے امو سے پرامس کیا تھا کہ ہم چاروں بھائی مل کر ان کی ڈیڈ باڈی اٹھائیں گے۔ اس لیے ہمیں جانا پڑے گا۔ رشید نے اسے سمجھایا پھر ممبئی سے تیسرے بھائی خورشید کا فون آیا۔

" بھائی جان۔ ہم سب مل کر امریکہ تفریح کرنے جارہے تھے۔ اب نشی

کو بھی ساتھ لے جاؤں تو انڈیا میں گرمی بہت ہوگی ۔ آپ وہاں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہمارے لیے ریزرویشن کروادیجیے ۔ "

ہاں بھئی میرے بھی اس موسم میں انڈیا جانا بہت مشکل ہے ۔ "

" امو اچھی بھلی ہونگی ۔ ذرا دل گھبرایا تو خواجہ بی سے فون کروا دیا ہے ۔ "

" خورشید ! میں نے ابھی ڈاکٹر عارف سے بات کی ۔ وہ کہہ رہے تھے کہ زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے ..... "

" تو پھر میں آجاؤنگا ۔ دہلی کے ایک سمینار کا انوی ٹیشن بھی آیا ہے ۔ "

" ارے پھر تو ہم ایک ہفتے میں واپس آجائیں گے نا ڈیڈ ..... ؟ " پنکی نے خوش ہوکر کہا ۔

" ہاں بے بی ۔ ہم چاروں بھائیوں نے امو سے پرامس کیا ہے کہ ہم ان کی ڈیڈ باڈی ..... "

" آفٹر ڈیتھ .... ؟ "

بے بی نے منہ بناکر کہا " گرینڈ مم نے اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ زندگی ان جوائے کرنے کا کوئی پرامس کیوں نہیں لیا ... ؟ "

الجھی سانسوں کے درد کو دل میں تھامے ، یہی بات امو بھی سوچ رہی تھیں .... سنسان گھر .... خالی کمرے ..... سونا آنگن .. اندھیرے کمرے میں اکیلی لیٹی وہ درد سے تڑپ رہی تھیں ۔ کسی دوا کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ بدن کا کوئی حصہ قابو میں نہ تھا ۔ کانپتے ہاتھ سے پانی کی بوتل اٹھانے کی کوشش کرتیں تو سارا بستر بھیگ جاتا ۔ " پانی .... پانی ..... خواجہ بی .... خواجہ بی کہاں مرگئی .... ؟ کس کا فون آیا .... دروازے پر کون آیا ہے .... ؟

خواجہ بی کمرہ بند کیے اپنے میاں کے ساتھ سوتی رہتی تھی ۔ بڈھی کو چلانے کی عادت ہوگئی ہے ۔ میں تو پاگل ہوجاؤنگی یہاں ۔ کوئی دوسری نوکری

ڈھونڈو جی اب ۔

تو ان کے میاں کی وکالت بس یوں ہی چلتی تھی ۔ مگر امو نے جائیداد بیچ کر چاروں بیٹوں کو ڈاکٹر انجینئیر بنادیا ۔ اچھی ڈگریاں ملتے ہی ان سب کے پنکھ نکل آئے ۔ اور انھوں نے امریکہ کی طرف پرواز کی ٹھانی ۔۔۔۔ امو کو یہ بات اچھی نہ لگی ۔ اتنی دور ۔ اللہ میاں کے پچھواڑے ۔۔۔۔ ؟ ہم سب امریکہ میں جا بسیں گے ۔۔۔۔۔ ؟

" ہم سب ۔۔۔ ؟ تمہیں کون لے جائیگا امریکہ ؟ " بچوں کے ابا نے ہنس کر کہا تھا ۔ " امریکہ میں ماں باپ نہیں رہتے ہیں ۔ وہ نوجوانوں کا ملک ہے ۔ "

" اچھا ۔۔۔ ؟ تو ماں باپ کہاں جائیں ۔ ؟ " امو نے تعجب سے پوچھا تھا ۔

" کوڑے کی ٹوکری میں ۔۔۔ " ابا نے خفا ہوکر کہا تھا ۔

ویران گھر کے آنگن میں بیٹھی ، کبوتروں کو دانا ڈالتے میں امو سوچتی تھیں کہ کوڑے کا ڈھیر ہی بن گیا ہے یہ گھر ۔ بار بار لائیٹ چلی جاتی ہے ۔ اندھیرے میں ماچس نہیں ملتی ۔ پوسٹ مین کوئی خط پھینک جائے تو وہ کسی کیاری کے پیچھے پڑا مہینوں کے بعد ملتا ہے ۔ ویسے بھی ان کے بیٹے اب خط لکھنے کی پرانی رسم بھول چکے تھے ۔ کبھی ضرورت ہوتی تو فون کرلیتے ہیں ۔ دودھ والا دودھ پھاٹک پر رکھ کر چلاجاتا ہے تو روز کتا اٹھا کر لے جاتا ہے ۔ کبھی آنگن میں کسی بچے کی گیند گرجائے تو وہ اندر آنے سے پہلے امو کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتا ہے ۔ رشتے داروں کو فرصت نہیں ملتی آنے کی ۔

کتنی بار وہ فون پر کہتی تھیں ۔

" رشید اب میں تمہارے پاس آجاؤنگی ۔ مجھے روز بخار آجاتا ہے ۔ کھانسی بہت بڑھ گئی ہے ۔ اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہے ۔ "

" مگر امو ! آپ کی بیماری کا علاج یہاں بہت مہنگا ہے ۔ گھر میں کوئی

نہیں رہتا ۔ آپ کی دیکھ بھال کیسے ہوگی ؟ " رشید امو کو اپنی مجبوری سناتا تھا ۔
" اچھا پھر پنکی اور طارق سے کہو مجھ سے فون پر بات کریں ۔ بچوں کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے میرا ..... " بچوں کو یاد کرکے انھیں رونا آجاتا تھا ۔
" وہ بات یہ ہے امو کہ بچوں کو اردو نہیں آتی ۔ اس لیے وہ آپ کی بات نہیں سمجھ سکتے ۔ " امو فون رکھدیتیں ۔ میری بات کوئی نہیں سمجھتا ۔ نہ بچے نہ ان کے ماں باپ .....

جب تینوں بھائی امریکہ گئے تو امو ابا کے پاس حمید کو چھوڑگئے تھے ۔ حمید کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا ۔ سارا دن نکمے دوستوں کے ساتھ گھومتا ۔ کبھی اسٹوڈنٹس یونین کا جھنڈا تھامے سڑکوں پر گھوم رہا ہے تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کے ساتھ نعرے لگارہا ہے ۔ پھر ایک دن سنا وہ کسی پارٹی میں شامل ہوگیا ہے ۔
" تمہارے امتحان میں ایک مہینہ رہ گیا ہے ۔ اسٹڈی کیوں نہیں کرتے ؟ " ابا اسے بار بار یاد دلاتے تھے ۔
" ابا ! میں اس سال امتحان نہیں دوں گا ۔ مجھے الیکشن کا کام کرنا ہے ۔ "
ابا بہت خفا ہوئے ۔ امو نے رو رو کر سمجھایا ۔ مستقبل کے بھیانک نقشے کھینچے ، جب زندگی بھر بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑیگا ۔ مگر حمید اب گھر بہت کم آتا تھا ۔ پھر خبر آئی کہ کسی مخالف پارٹی کے ممبر کو مارنے کے جرم میں حمید گرفتار ہوگیا ہے ۔ سنا ہے وہ آدمی ہاسپٹل میں مرگیا ....
سارے محلے کے لوگ ابا امو کو پرسہ دینے آئے ۔ جانے کونسے گناہ کی سزا ملی کہ حمید اس گھر میں پیدا ہوا ۔ اب اسے پھانسی کی سزا ملے گی ۔ دوست رشتے دار تعزیت کے لیے آنے لگے ۔

" پھانسی پر چڑھیں گے حمید کے دشمن ۔ اب وہ تو ہمارا ہیرو ہے ۔ "
حمید کے دوست کہہ رہے تھے ۔ ان کی پارٹی اکثریت میں آگئی تھی۔ اس لیے کچھ دنوں تک اس مقدمے کی کاروائی چلتی رہی ۔ پھر معاملہ ٹھپ ہوگیا ۔ ایک دن حمید کا ایک دوست آیا تو اس نے امو سے کہا " کوئی ورکر دو چار مرڈر کرڈالے تو پارٹی اسے الیکشن کا ٹکٹ دینے پر مجبور ہوجاتی ہے ۔ "

وہی ہوا ۔ حمید کے گناہوں کی لمبی لسٹ نے اسے اپنی پارٹی کا سب سے اہم لیڈر بنا دیا ۔

" اب دیکھتا ہوں کہ ہمارے حلقے کا کون ووٹر ہے جو مجھے ووٹ دیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہے " ۔ امو اور ابا دم سادھے بیٹھے رہتے تھے ۔

جب گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے ایک جلوس کے ساتھ حمید گھر آیا ۔ ابا دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے بیٹھے تھے ۔ وہ ابا سے گلے ملنے کے لیے جھکا تو ابا نیچے گر پڑے ......

پھر حمید منسٹر بن گیا اور ضد کی کہ امو میرے ساتھ دہلی چلیے ۔ سرکاری بنگلے میں رہنا ، گورنمنٹ کے جھنڈے والی کار میں گھومنا ۔ خوب ٹھاٹ کرنا ۔ امو نے منسٹر کی امی بننے کے لیے کئی نئے جوڑے سلوائے ۔ نئی چپل خریدی ۔ مگر وہ منسٹر کے بنگلے میں فٹ نہ ہوسکیں ۔ نوکروں سے گوشت ترکاری کا حساب مانگتیں ۔ چوکیدار اور ڈرائیور کے سلاموں کے جواب میں جیتے رہو ، سلامت رہو کہہ کر خوش ہوتیں ۔ بنگلے کے لان میں دھوپ کے رخ کھاٹ ڈال کر پاپڑ سکھانے بیٹھ جاتیں ۔ چنانچہ منسٹر کی بیگم نے انھیں پھر وہیں بھیج دیا جہاں وہ سر جھکائے اچار مربے بنانے میں جٹی رہتیں ۔

تین دن ہوگئے سب امو کے آس پاس ہاتھ باندھے کھڑے تھے ۔ بار بار آکسیجن کا ٹیوب ٹھیک کرتے ۔ امو کو کچھ ہونے والا ہے ۔ اس آنے والے دکھ کو وہ اپنے چہروں پر پینٹ کرچکے تھے ۔ امو بڑے مشکل سے آنکھ کھول کر

سب کو دیکھتیں ۔ حمید نہیں آیا ... میرا حمید ...... شاید امو کا دم حمید میں اٹکا ہوا ہے ......

خواجہ بی کہہ رہی تھی کہ حمید دہلی میں ہے ۔ اس بار اس کی پارٹی کو الیکشن میں اکثریت نہیں ملی ۔ اب حمید منسٹر نہیں رہیگا ۔ ایسے وقت وہ دہلی سے باہر کیسے جاسکتا ہے ؟

" مگر ہم سب نے امو سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے آخری وقت ... " رشید بہت غصے میں تھا ۔ امو بار بار آنکھیں کھولتیں ۔

" تم سب کو اپنے پاس دیکھ کر میرا جی چاہ رہا ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے بناکر پلاؤ کھلاؤں ۔ "

" اس وقت بھی امو کا دل پلاؤ میں اٹکا ہے ۔ اللہ توبہ ... " ان کی بڑی بہو نے ان کے گالوں کو چھوکر امو سے کہا ۔

" امو ۔ یسین شریف پڑھیے ۔ اللہ کو یاد کیجیے ۔ "

" میرا حمید ۔ اب میرے جنازے کو کاندھا دینے ..... " وہ پھر رونے لگیں ۔ " تم سب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے جنازے کو چاروں بھائی مل کر اٹھاؤگے ۔ "

" ہیلو ہیلو ۔ اب امو کا کیا حال ہے .... ؟ " حمید کا دہلی سے فون آگیا " کیا ... ؟ آکسیجن دی جارہی ہے ۔ مگر اب آکسیجن دینے سے کیا فائدہ ۔ جب ڈاکٹر کہہ چکا ہے کہ .... بھائی جان میری بات سنیے ۔ اگر خدا نخواستہ امو کو آج رات کچھ ہوگیا تو پرائم منسٹر مجھے پرسہ دینے آئیں گے ۔ لیکن پرسوں ہماری منسٹری ختم ہورہی ہے ۔ اس لیے آپ امو کو فورا کسی اچھے شاندار ہاسپٹل میں لے جائیے ۔ انتقال کی نیوز ٹی ۔ وی پر آئے تو اس ہاسپٹل کا نام بھی ہونا چاہیے ۔ "

پھر اس نے کہا ۔ " ذرا بھابی کو فون دیجیے ۔ "

" ہیلو بھابھی ! سب انتظام اچھا کیجیے ۔ خرچ کی فکر مت کرنا ۔ ممکن ہے ٹی ۔ وی ۔ والے بھی اپنی نیوز میں شامل کرنے کے لیے گھر پر آئیں ۔ "

" آپ فکر نہ کریں حمید بھائی ۔ میں نے سب انتظام کر دیا ہے ۔ " بھابھی نے اطمینان دلایا ۔ کیا کہہ رہا ہے حمید ؟ کب آرہا ہے وہ ؟ " امو نے ڈوبتی سانسوں کو روک کر پوچھا ۔

تب ڈرائنگ روم میں جاکر خورشید نے کہا ۔

" کل مجھے دہلی میں ایک سمینار اٹینڈ کرنا ہے ۔ "

" اور میں صرف تین دن کی لیو لے کر آیا تھا ۔ "

" بچے گرمی سے گھبرائے جارہے ہیں ۔ " امریکن بہو نے منہ بناکر کہا ۔

صبح سویرے امو کی آنکھ کھلنے سے پہلے وہ سب چپکے چپکے گیٹ کے باہر نکلے ۔ انھوں نے خواجہ بی کو امو کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کی ہدایت دی اور بہت سے ڈالر ، ریال ، روپے اس کے ہاتھوں میں تھمادیے ۔

" امو کی خیریت کے لیے ہمیں فون کرتی رہنا ۔ بائی ۔ بائی ..... "

خواجہ بی اندر آئی اور یہ دیکھ کر ڈر گئی کہ امو کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ۔ شاید انھوں نے اپنے بیٹوں کو جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا ۔

پھر اس نے ایک دوکان کا فون نمبر ملایا ۔

" ہیلو ..... میت لے جانے والی ایک لاری بھیج دیجیے اور ساتھ میں چار آدمی بھی ہوں ۔ اور کچھ نہیں چاہیے ۔ ان کے لڑکے ہر چیز کا انتظام کر گئے ہیں ۔ "

•••

آوٹ آف فوکس

وہ بڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی۔
ہانپتی ہوئی۔ جیسے کوئی اہم بات ہوگئی ہو۔ جسے وہ اپنے شوہر کو فورا سنانا چاہتی ہے۔
اندر آکر اس نے اشارے سے فون کرنے کی اجازت مانگی اور میں نے گردن کے اشارے سے اجازت دیکر نیوز پیپر اٹھالیا۔
وہ جب بھی فون کرنے آتی ہے چھ سات منٹ سے پہلے بات ختم نہیں کرتی۔ جب کوئی اور آدمی فون کرنے کے انتظار سے بیزار ہو کر اسے ٹوک دیتا ہے تو بڑی مایوسی کے ساتھ فون رکھ دیتی ہے۔ پبلک کال بوتھ سے باہر نکل کر وہ ہمیشہ سڑک پر آنے جانے والوں کو بڑے غور سے ، بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتی ہے اور پھر دھیرے دھیرے سڑک پار کر کے چلی جاتی ہے۔
وہ سامنے والے مغل اپارٹمنٹ کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے۔ 30 ·

35برس کی بہت دبلی پتلی کمزور سی عورت ہے ۔ کاٹن کا شلوار سوٹ یا ہینڈلوم ساری پہنے ۔ الجھے الجھے بال ۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ ۔ سنا ہے کسی آفس میں آفیسر ہے ۔ اکیلی رہتی ہے ۔

یہ سب باتیں مجھے اپارٹمنٹ میں دودھ پہنچانے والے ریش نے بتائی ہیں ۔ کیونکہ اس جگہ سب نئے لوگ آئے ہیں ۔ وہاں ابھی فون کا کنکشن نہیں ملا ہے ۔ اس لیے وہ سب ہمارے بوتھ پر فون کرنے آتے ہیں ۔ وہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے ۔ مگر میں یہاں بیٹھے بیٹھے ان کے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہوں ۔

جیسے بار بار فون سنتے سنتے مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ اس عورت کا نام رعنا ہے ۔ جنہیں وہ فون کرتی ہے ان میں سے کوئی اسے رانو کہتا ، کوئی رانی ۔ اکثر اس کے گھر آنے والے وعدہ کرکے نہیں آتے ۔ وہ جب بھی فون کرنے آتی ہے مذاق کے موڈ میں ، باتیں کرنے کو بے چین ..... آٹھ نمبر کے فلیٹ والی پتی کے باہر جاتے ہی کسی اور کے ساتھ جانے کا پروگرام بناتی ہے ۔ ۲۲ نمبر والی ساس اپنی بہو سے بیزار ہوچکی ہے ۔ ۱۱ نمبر والے لڑکے کا کسی سے زور دار رومانس چل رہا ہے ۔ اور ۳ نمبر والے پروفیسر صاحب کو ان کے ڈپارٹمنٹ والے بہت پریشان کررہے ہیں ۔ فون ہاتھ میں تھام کر وہ سب بھول جاتے ہیں کہ کیبن میں ایک اور آدمی بیٹھا ان کی باتیں سن رہا ہے ۔ وہ مجھے بھی بینچ یا کرسی کا ایک حصہ سمجھتے ہیں ۔ ایک مشین ۔ جس کا کام ایک ایک روپے کے سکے دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔

مگر اب مغل اپارٹمنٹ والوں سے میری ایک خاموش سی دوستی ہوگئی ہے ۔ جیسے ہم ایک دوسرے کے عادی ہوچکے ہوں ۔

اسی لیے رعنا فون کرنے آتی ہے تو میں اپنی کرسی چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوجاتا ہوں ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں وہ دس بارہ منٹ تک کھڑے

تھک جاتی ہے ۔ اور بیٹھنے پر مجبور ہے ۔ پھر فون پر بات کرنے والے اسے کتنا بور کرتے ہیں ۔

" ہیلو ... میں رانو بول رہی ہوں ۔ کیا کررہے ہو تم ؟ ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ جہاں تم ہو وہاں آج ضرور بارش ہورہی ہوگی ۔ میرے موسم تو تمہاری یاد کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں ۔ اچھا سنو ۔ کل سنڈے تھا نا ۔ تو میں نے سوچا آج تم ضرور آوگے ۔ بس جلدی سے کباب بنائے ، چٹنی بنائی ۔ کھانے کے بعد آئس کریم کھانے کا پروگرام بنایا ۔ خوب تھک گئی ۔ رات کو کھانے کے بغیر ہی سو گئی ۔ "

اس کے جانے کے بعد میں نے سوچا ۔ رات کو وعدہ کرکے نہ آنے والا اس کا شوہر نہیں ہوسکتا ۔ جانے کس کس مرد کے ساتھ اپنے موسم بدلتی رہتی ہے یہ عورت ۔

ایک دن گراونڈ فلور پر رہنے والی چھمک چھلو نینا فون کرنے آئی ۔ نینا کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ دو ٹی ۔ وی سیریئل میں کام کرچکی ہے اور اب اسے کوئی فلم والا بمبئی بلا رہا ہے ۔ اس لیے وہ نئے نئے ڈیزائن کے چمکیلے بھڑکیلے شلوار کے سوٹ پہنے اپنے کھلے بال لہراتی ، جب سڑک پار کر کے آتی ہے تو اس خوش فہمی کو ساتھ لیے چلتی ہے کہ اسکے پیچھے چاہنے والوں کا ہجوم ہے ۔ نینا نے فون ملا کر کہا ۔ " پانڈے جی سے بات کروائیے ۔ اگر ڈائریکٹر صاحب ہوں تو ان سے کہدیجیے میں آج شوٹنگ پر نہیں آسکونگی ۔ اناپورنا اسٹوڈیو میں میرا اپائنٹمنٹ ہے ۔ "

جب نینا فون کرکے باہر جانے لگی تو رعنا نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا اور پھر فون پر کسی سے کہنے لگی ۔

" ایکبار تم نے کہا تھا ٹی ۔ وی کے لیے کہانی لکھوگے ۔ تو لکھونا ۔ یہاں ایک بہت اچھی لڑکی ہے تمہاری کہانی کی ہیروئین بن جائیگی ۔ "

دوسرے دن جب وہ بے حد جلدی میں فون کرنے آئی تو حسب عادت تین نمبر والے پروفیسر اپنی ایک نئی بپتا کسی دوست کو سنا رہے تھے ۔ " تینوں بچے بیمار ہیں اور عطیہ پھر پریگننٹ ہے ۔ سب کچھ مجھے دیکھنا پڑتا ہے ۔ "

انکے جانے کے بعد رعنا نے کئی جگہ فون ملائے اور پھر کسی سے باتیں کرتے میں خوب ہنسنے لگی ۔ " میں رانو بول رہی ہوں ۔ آج تمہیں ایک خوشخبری سناؤں میں پھر ڈبل ہورہی ہوں ۔ بے حد بوریت ہورہی ہے اس بات سے ۔ بھلا سوچو ! اتنے بچوں کو کیسے پالونگی میں ... ؟ " اور پھر جانے کس کا مذاق سن کر اتنا ہنسی کہ اس کے پیچھے فون کرنے کے لیے آنے والے بیزار ہوگئے ۔ " اوہ آئی ایم سوری " وہ جیسے اچانک اس کیبین میں واپس آگئی اور فون پٹک کر بھاگی ۔ آج اس کی بات سن کر مجھے اچھا لگا ۔ اب ہر ایک سے اکیلے پن کی شکایت کرنا چھوڑدے گی ۔ شاید اس کا میاں کہیں دور رہتا ہے ۔ کبھی کبھی آتا ہے ۔ ممکن ہے کسی اور عورت کے چکر میں ہو ۔ رعنا کو بہلاوے دیے جاتا ہے ۔

" ہیلو میں رعنا احمد بات کررہی ہوں ۔ میں رانی بول رہی ہوں ..... ان سے کہنا رانو کا فون آیا تھا ۔ ہیلو ہیلو .. میں رعنا ہوں میں رعنا ہوں ۔ میں ... میں ...... "

بعض وقت یہ عورت جانے کس سے بات کرتی ہے اور صرف اپنا نام ہی بتائے جاتی ہے ۔ اپنا نام بار بار لینا اسے بہت پسند ہے جیسے یہ نام اور کوئی جانتا ہی نہیں ۔

ایک دن اس نے اپنے دوست کو بڑے اصرار سے گھر بلایا ۔

" کسی دن آیئے نا آپ ہمارے گھر ۔ میرا نام رعنا احمد ہے ۔ مغل اپرٹمنٹ کے بارہ نمبر فلیٹ میں رہتی ہوں ۔ آپ کو میرا نام یاد تو رہے گا نا ۔ آپ مجھے رانو بھی کہہ سکتے ہیں ۔ "

پھر ایک دن وہ اپنی کسی دوست پر بہت خفا ہوئی ۔

" کب آؤگی تم ؟ ہمیشہ جھوٹے وعدے کرتی ہو ۔ سنو ! میں روی شنکر کا نیا ایل ۔ پی لائی ہوں ۔ شدھ سارنگ بجایا ہے اس نے ۔ اللہ مت پوچھو ۔ میں تو سچ مچ سلگ اٹھی ۔ رات بھر جلتی رہی ہوں ..... ہاں بعض راگ مجھے جلادیتے ہیں ۔ فنا کرڈالتے ہیں ۔ "

اس دن بے حد گرمی تھی ۔ لو چل رہی تھی جب رعنا ماتھے سے پسینہ پونچھتی پسینے میں نہائی اندر آئی ۔

" ہیلو ہیلو ، تم لوگ سنتے کیوں نہیں میری بات ۔ کہاں چلے جاتے ہو ۔ مجھے تم سب پر بے حد غصہ آتا ہے ۔ جی چاہتا ہے کہ .. کہ وہ فون رکھکر آنسو پونچھنے لگی اور جب سسکیاں شروع ہوگئیں تو پیسے دیے بغیر ہی جلدی سے باہر چلی گئی ۔

دو تین ہفتے ہوگئے ۔ اب وہ فون کرنے نہیں آتی ۔

شاید اس کا شوہر آیا ہوا ہے ۔ بہت خوش ہوگی آج کل ۔

پھر ایک دن وہ دوڑتی ہوئی آئی ۔ بے حد خوش ۔

" ہیلو ، میں رعنا بول رہی ہوں ۔ اچھا ۔ تمہیں اچھا لگتا ہے تو رانی کہونگی ۔ تو سنو مجھے پروموشن ملا ہے ۔ آفیسر ہوگئی ہوں اب ۔ میرا حکم ماننے کو تیار رہو ۔ ہاں گھر آؤگے تو مٹھائی کھلاونگی ۔ سچ ... مٹھائی لے کر آئی ہوں ۔ "

" اچھا ! اب فون رکھتی ہوں ۔ رات سے گڈی کو ٹمپریچر آگیا ہے ۔ "

وہ مٹھائی کا ڈبہ اٹھا کر تیزی سے باہر جانے لگی تو اندر آنے والی دو عورتوں سے ٹکرا گئی ۔

" ہیلو رعنا احمد ... ؟ تم یہاں رہتی ہو .....؟ " ایک عورت نے بڑے تعجب کے ساتھ اسے دیکھا ... " تمہاری طبیعت کیسی ہے اب .... ؟ "

" میں نے سنا تھا تم بہت بیمار ہوگئی تھیں ۔ تمہارا ٹرانسفر بھی ہوگیا

تھا۔ ؟"

"ہاں، اب ٹھیک ہوں۔ آج پروموشن ہوگیا ہے میرا۔ اچھا بائے بائے۔"

اندر آنے والی عورت نے بڑے غور سے جاتی ہوئی رعنا کو دیکھا اور پھر اپنی ساتھی سے بولی۔

میرٹھ میں ہماری پڑوسن تھی۔ بچاری کا شوہر بچے، سب فساد میں مارے گئے۔ اکیلی رہ گئی تھی۔

"مگر اب اکیلی نہیں ہے وہ۔" یہ بات میں ان عورتوں سے نہیں کہہ سکا۔ لیکن میرا جی چاہ رہا تھا کہ اس عورت کو بتادوں کہ اب رعنا احمد نے شادی کرلی ہے۔ اسکے بچے ہیں۔ اب ایک اور بچہ ہونے والا ہے۔

لیکن ٹیلیفون بوتھ پر بیٹھنے والا خواتین سے گپ بازی نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں اپنا سیف کھول کر سکے گننے لگا۔

جب وہ دونوں عورتیں فون کرکے چلی گئیں تو میں نے دیکھا کہ ٹیبل پر ایک سیاہ لیڈیز پرس رکھا ہے۔ یہ رعنا کا پرس ہے۔ وہ روز اس میں سے پیسے نکال کر مجھے دیتی ہے۔ بوتھ کا کیبن لاک کرکے میں نے مغل اپارٹمنٹ کے بارہ نمبر فلیٹ کی کال بیل بجائی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور رعنا کی باتوں کی آواز نیچے سیڑھیوں تک آرہی تھی۔ "ارے !کون آگیا..... ؟" وہ بے تابی سے دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ مجھے غور سے دیکھا اور کچھ مایوس ہوکر بولی... "آیئے اندر آیئے نا ؟

اندر سارے کمرے میں کپڑے، کتابیں، کھلونے، برتن بکھرے پڑے تھے۔ کھانے کی ٹیبل پر سالن اور چاول سے بھری ڈشیں رکھی تھیں اور ان کے آس پاس خوبصورت سی گڑیاں بیٹھی تھیں۔ رعنا کے ہاتھ میں بھی ایک ننھا سا ببوا کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔

" دیکھیے میری ہر چیز کتنی بکھری پڑی ہے ۔ " وہ ایک ہاتھ سے صوفے پر بکھری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے بولی ۔

" جیسے کوئی فوٹو آوٹ آف فوکس ہوجاتا ہے نا ۔ بس ویسی ہی میں نظر آتی ہوں نا .... ؟ "

" معاف کیجیے میڈم ۔ آپ ٹیلی فون بوتھ پر یہ پرس بھول آئی تھیں ۔ " میں نے پرس آگے بڑھایا ۔ " زحمت نہ کیجیے ۔ میں یہاں کھڑا رہوں گا ۔ "

" اوہ تھینک یو ۔ " اس نے ہاتھ میں تھامے ہوئے بوے کو بہت سنبھال کر صوفے پر رکھا اور پرس لیکر بڑی شرمندگی سے بولی ۔

" میرے ساتھ یہی ہورہا ہے ۔ جن باتوں کو یاد رکھنا چاہتی ہوں وہ بھول جاتی ہوں اور جنھیں بھولنا چاہتی ہوں انھیں یہ بچے بھلانے بھی دیں .... ؟ "

" جی ... جی ... " میں نے چاروں طرف دکھا ۔ کوئی بچہ نظر نہیں آیا ۔

" اب آپ دیکھیے ۔ ان میں سے کوئی اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا ۔ " اس نے کھانے کی میز پر بیٹھی ہوئی گڑیوں کی طرف اشارہ کیا ۔ پھر صوفے پر پڑے ہوئے بوے پر ہاتھ رکھ کر بڑے دکھ سے بولی ۔

" اوہ ، گڈی کو کتنا بخار ہے آج ۔ اب تم ہی بتاؤ ۔ آخر میں کیا کروں .... ؟ "

•••

وہ آرہا ہے

دونوں ہی خبریں سوامی ناتھ کے لیے ناقابل یقین تھیں۔

اس کے جس ہاتھ میں بریف کیس تھا وہ ہاتھ کانپنے لگا۔ اس لیے نہیں کہ اس بریف کیس میں وہ سارے ثبوت بند تھے جنھوں نے اسے اسمبلی کی نشست دلوائی تھی بلکہ اسے بعض وقت جانے کیا ہوجاتا تھا۔ وہ آپی آپ کسی غیر محسوس خوف سے کانپنے لگتا۔ مگر آج کی یہ دونوں خبریں تو ایسی تھیں کہ وہ خوشی کے مارے مر بھی سکتا تھا۔

پہلی خبر تو یہ کہ وہ اسمبلی کی نشست جیت چکا ہے۔ وہ بھی کسی بڑی سیاسی پارٹی کی مدد کے بغیر، آزاد امیدوار کی حیثیت سے۔ پھر یہ خبر کہ وہ آرہا ہے ... چند سیکنڈ کے بعد ہاتھ کے ساتھ سوامی ناتھ کا سارا بدن بھی کانپنے لگا۔ حالانکہ اس وقت اسے ایک باوقار خوش قسمت انسان کا رول ادا کرنا تھا۔ لوگوں کے نعرے، پھولوں کے ہار، دوستوں عزیزوں کی مبارکبادیاں، بڑے بڈھوں کی دعائیں، دشمنوں کے طنز اور شانتا کی شرماتی لجاتی نگاہیں۔ اور پھر سب سے اہم بات ... ڈاکٹر رنگا چاری کا فخر سے تمتماتا ہوا چہرہ۔ سوامی ناتھ کے

شکست خوردہ حریف مبارکباد دیتے وقت اس کے آگے جھک جھک گئے۔ مگر رنگا چاری کے آگے وہ خود جھکا۔ سب کو اپنے آگے جھکتا دیکھ کر اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی کسی کے آگے جھکے۔

ایسے برے وقت اگر رنگا چاری اس کا ساتھ نہ دیتا تو۔۔۔۔!

لیکن بھگوان ایک در بند کرتا ہے تو ستر در کھول دیتا ہے۔ یوں سوامی ناتھ کو بھگوان پر یقین نہ تھا مگر کبھی کبھی وقت پڑنے پر وہ بھگوان کو بھی یوں ہی یاد کرلیتا تھا جیسے ضرورت پڑنے پر کسی پولیس والے کی جیب گرم کر رہا ہو۔ اگر وہ ہے اور سات آسمانوں سے لے کر زمین پر بھی اس کے حکم کے بغیر کوئی الیکشن نہیں جیت سکتا تو اسے مان لینے میں کیا حرج ہے۔

شانتا بھی اولاد کے لیے حکیموں ڈاکٹروں سے ہار گئی تو اس نے دل میں نیت باندھ لی کہ دس تولہ سونا مندر پر چڑھائے گی۔ اب سوامی ناتھ نے لاکھ سمجھایا کہ پگلی بھگوان کو تیری بھینٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ کسی عورت کو نہیں سمجھا سکتے اور کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے شانتا ہی بننا پڑتا ہے۔ سوامی ناتھ کے لیے دونوں کام ناممکن تھے۔ لہذا دس تولے سونے پر صبر کرنا پڑا۔

الیکشن دوبار ہارنے کے بعد وہ اپنے آپ کو قوم کے نیتا کے میک اپ میں دیکھنا بھول چکا تھا۔ یوں ہی جیسے شادی کے پندرہ برس بعد وہ اپنے آپ کو باپ کے روپ میں دیکھنا بھول چکا ہے۔

اب وہ شانتا کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنا چھوڑ چکا تھا۔ چاہے وہ کتنی ہی بیماریوں کا ڈھونگ رچائے بستر پر لیٹی رہے۔ شہر کے ہر ڈاکٹر سے مشورہ کرتی پھرے۔ جن عورتوں کے بچے نہیں ہوتے وہ ہر وقت بستر پر لیٹی ہائے ہائے کرتی رہتی ہیں۔ دنیا کے ہر روگ میں مبتلا۔ کسی نے شکر چٹائی وہ چاٹ لی۔ کسی نے زہر بتایا وہ بھی کھانے کو تیار۔

جب شہر کے تمام ڈاکٹر ختم ہوگئے تو شانتا کے دوستوں نے (جو دراصل سوامی ناتھ کے دشمن تھے) صلاح دی کہ بمبئی جاؤ علاج کروانے ... خیر صاحب .... بمبئی چلے۔

لیکن بمبئی جاکر شانتا کو کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ ساریوں کی خریداری، فلم اسٹاروں کا دیدار اور فلموں کی شوٹنگ نے جیسے اس کے سارے دکھ درد دور کردیئے .... چلو اچھا ہوا ... سوامی ناتھ نے بھی اطمینان کی سانس لی، کیونکہ ساری بے اولاد عورتوں کی طرح شانتا بھی گھر میں رہتی تو بے شمار روگ اس کی جان کو لپٹے رہتے تھے۔ مگر دوسرے شہر کی ہوا لگتے ہی وہ چڑیا کی طرح چہکنے لگتی۔ پھر گھر واپس جانے کا ٹکٹ آجاتا اور پلین کی سیڑھیوں پر سے اترتے وقت اسے چکر آجاتا تھا۔

اس بار بھی جب کسی ڈاکٹر کے کلینک جانے کی بجائے شانتا ساریوں کی دوکان میں گھس گئی تو سوامی ناتھ بھی ان کارخانوں کی تلاش میں نکل پڑا جو الیکشن جیتنے کے کل پرزے ڈھالتے ہیں اور پھر گھر آتے ہی شانتا کی ہائے ہائے اور سوامی ناتھ کی وائے وائے شروع ہوگئی۔

ان کے گھر کو پڑوسی بڑی رشک بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ سات کمروں والا ڈبل اسٹوری بنگلہ، فنسیٹ کار، چھوٹا سا پھولوں بھرا لان اور لان کے بیچ میں جھولے والی کرسی پر بیٹھی چمکتی دمکتی، سوامی ناتھ کے تمام دوستوں کی آؤ بھگت کرنے والی شانتا اور پھر بظاہر بھاری بھرکم نظر آنے والا اونچا پورا سوامی ناتھ ... اور کیا چاہیے دنیا کو۔

مگر نہیں ... شانتا کو تو اپنا گھر بھوت بنگلہ نظر آتا تھا۔ جہاں نہ تو کسی بچے کی ہنسی تھی اور نہ شوہر کے ساتھ روٹھنے منے کی رنگ رلیاں۔ سوامی ناتھ نے شادی کے پہلے دن شانتا کے آگے سر جھکایا تو پھر نہ اٹھایا۔ اب اس کی جھکی ہوئی گردن عوام کے آگے ہی اٹھ سکتی تھی جو اسے اپنے ووٹ دیتے ہی

نہ تھے ۔ پچھلے دو الیکشن میں اسے بار ہوئی تھی ۔ پہلی بار شانتا سے چھپا کر بچایا ہوا روپیہ ختم ہوا ۔ دوسری بار نلگنڈے والی خاندانی جائیداد چھوٹے بھائی کے پاس رہن رکھنا پڑی ۔ ہر بار شانتا نے خوب شور مچایا اور ہر بار سوامی ناتھ کو چلا کر کہنا پڑا ... " کیا دنیا میں اپنا نام بھی نہ چھوڑ جاؤں ۔ "

اور شانتا لاجواب ہو گئی ۔ جیسے سوامی ناتھ کو اتنا مفلس کر دینے کی ذمہ داری صرف اسی پر ہے ۔ ایسی رات جب آتی تو شانتا کی کمر میں شدید درد ہوتا اور صبح اٹھ کر وہ ادھر ادھر کے ڈاکٹروں کو پکڑتی پھرتی ۔ وہ تو بنگلوں میں رہنے والی نوکرانیوں کے آزمودہ نسخے بھی آزما چکی تھی اور حجانی بی کے فلیتے بھی سب کی نظروں سے بچا کر بلاوز میں چھپا لیتی تھی ۔ مگر کھلے گریبان میں وہ ہرگز نہ چھپتے بلکہ ہر ایرے غیرے کو اپنی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے وہ اور اتراتی ۔ بتیس برس کی عمر میں بھی لوگوں کی نگاہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں ۔ پھر کالے دھاگے میں بندھی کاغذ کی پڑیا یاد آتی ۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے دل تھام کر وہیں بیٹھ جاتی تھی ۔ شام تک شانتا جتنے ڈاکٹروں کے پاس جاتی تھی وہ دواؤں کے ڈھیر لگا دیتے تھے ۔ ایک دوا کھانے سے فوراً پہلے کھانے کی ہوتی اور ایک سوامی ناتھ کے آنے کے بعد ۔ مگر الیکشن کی گڑبڑ میں سوامی ناتھ کو یاد ہی نہ رہتا کہ شانتا کو دوا بھی کھانا ہے ۔ ہزاروں امیدواروں سے لدی ہوئی ٹرین اسٹیشن کے باہر کھڑی سیٹیوں پر سیٹیاں بجائے جاتی مگر سوامی ناتھ کو ہری جھنڈی دکھانے کی فرصت ہی نہ تھی ۔

" بھاڑ میں جائے میرا علاج ۔ ایسی کی تیسی تمہارے الیکشن کی ۔ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی ہوں درد کے مارے مجال ہے کہ تمہارے کان پر جوں تو رینگے ۔ " صبح ناشتے کی میز پر شانتا پلیٹیں پٹک پٹک کر چلاتی رہی ۔ اور سوامی ناتھ اپنی گنجی چندیا پر جوں تلاش کرنے کی بجائے اخبار میں اپنے مطلب کی کوئی خبر ڈھونڈتے رہے ۔

" ارے ... مارچ میں الیکشن ہورہے ہیں ... ہپ ہپ ہرے ... اری بے وقوف اس بار سب ٹھیک ہوجائے گا ۔ ذرا مجھے الیکشن تو جیت لینے دے ۔"

اور پھر الیکشن جتانے والوں کا گھر میں ہجوم اکٹھا ہونے لگا ۔ وہ سب دن رات سر جوڑے کھسر پھسر کرتے رہتے تھے ۔ اب کی بار سوامی ناتھ جو کچھ کررہاتھا وہ بڑی احتیاط کے ساتھ ... اندر ہی اندر ... جیسے ذرا سے ٹائم بم کے اندر ہزاروں انسانوں کی موت ، بے شمار کھیتوں اور گھروں کی تباہی چھپی ہوتی ہے ۔ یوں ہی سوامی ناتھ کے دوستوں کی سرگوشی میں جانے کتنے واقعات ، سڑکوں پر اچانک ہوجانے والے حادثات اور لڑائی کے جھگڑے چھپے ہوتے تھے ۔

شاتتا تو اپنی مسہری پر اوندھی لیٹی ، ٹانگیں ہلاتے ہوئے صرف اخبار پڑھتی تھی کہ سوامی ناتھ کا امیدوار کسی اسکوٹر کی ٹکر سے زخمی ہوکر ہاسپٹل پر جاپڑا ۔ اور کسی انتخابی جلسے میں پولیس کو فائرنگ کرنا پڑی ۔

بند کمروں میں آدھی آدھی رات تک میٹنگس ہوتی تو شاتتا کو اکیلے کمرے میں نیند نہ آتی ۔ اکتا کر وہ بھی رنگا چاری کو فون کرتی ، اس کی جان کو بھی تو ہزاروں روگ لگے رہتے ۔ کوئی دوا چاہیے یا نہیں ۔

ڈاکٹر رنگا چاری کسی دور کے رشتے سے سوامی ناتھ کا بھائی لگتا تھا مگر سوامی ناتھ نے اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے کھینچ کھانچ کر بہت قریب کا رشتہ لگا لیا تھا (الیکشن اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے بھائی) اب رنگا چاری اتنا قریب تھا کہ سوامی ناتھ نے شاتتا کے علاج کے علاوہ بھی کئی کاموں کی ذمہ داری رنگا چاری کو سونپ دی تھی ۔ جیسے شاتتا کے آئے دن عجیب و غریب مزوں کے پکائے ہوئے کھانوں کو خوب تعریفیں کرکر کے کھانا ۔ اور پھر شاتتا کے ساتھ اس کی سہیلیوں کی پارٹیوں میں جانا ۔ اور پھر شاتتا کی بے شمار نایاب

رنگوں کی ساریوں کے میچ کا بلاؤز ڈھونڈنے کے لیے بازاروں کے چکر کاٹتا۔ یہ کام جہاں شانتا کو تھکا دیتا تھا وہیں سوامی ناتھ کا بلڈ پریشر بھی بڑھ جاتا تھا۔ لیکن رنگا چاری ٹھہرا ڈاکٹر ... چنانچہ اس نے اس مشکل کام کا ایسا علاج دریافت کیا کہ شانتا کو بلاؤزوں کی ایسی ضرورت نہ رہی۔ بس ایسے ہی موقعہ پر اپنے پرائے کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ جو کسی نے کہا ہے سکہ رشتہ دار اللہ میاں بھیجتا ہے اور دوست انسان خود بناتا ہے تو سوامی ناتھ دوستوں کے انتخاب میں بڑا کائیاں تھا۔ ورنہ آپ اندازہ لگائیے کہ ایسی آپا دھاپی میں وہ دوستوں کے بغیر الیکشن جیت سکتا تھا؟ اور رنگا چاری یوں جی جان سے شانتا کا علاج نہ کرتا تو شانتا سوامی ناتھ کو کوئی خوشخبری سنا سکتی تھی۔

رنگا چاری کو دیکھتے ہی سوامی ناتھ کی باچھیں کھل اٹھتی تھیں۔

"آج شانتا کے پیروں پر سوجن آگئی ہے۔ ذرا چیک اپ کرلینا۔"

اور پھر فون اٹھاکر ہلو ہلو کرنے لگتا۔ یاد ہی نہ رہتا کہ رنگا چاری نے شانتا کے کتنے چیک اپ کرڈالے۔

لیجیے صاحب۔ ادھر سوامی ناتھ نے الیکشن جیتا اور ادھر شانتا نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپاکر سوامی ناتھ کو خوشخبری سنائی کہ وہ آرہا ہے۔

"ارے ... واقعی ...؟" اگر اس وقت سوامی ناتھ کے ہاتھوں میں طوطے ہوتے تو یقینا اڑجاتے۔ بس وہ آپی آپ کانپنے لگا۔ عین وقت پر وہ کسی اندرونی خوف سے جانے کیوں کانپنے لگتا تھا پھر اس نے شانتا کے منہ پر سے ہاتھ ہٹائے اور اپنی آواز میں خوب شکر گھول کر کہا۔

"تو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے .... پگلی ... !"

اس کے بعد جیت کے نشے میں چور وہ تھکا ہارا گھر پہنچتا تو شانتا کا خوشی سے جگمگاتا ہوا چہرہ دیکھ کر یاد آتا۔ وہ آرہا ہے۔ اور پھر وہ اپنے ذہن کے سارے بوجھ کو ڈھکیلنے کے بہانے شانتا سے زیادہ اپنے آپ سے باتیں کرنے

لگتا تھا۔

" اب کی بار شاپنگ کو جائیں گے ۔ خوب کھلونے لائیں گے ۔۔۔ اور میں تو یہ بھی سوچ رہا ہوں شانتا کہ منو سوامی سے اپنی خاندانی جائیداد واپس لینا پڑے گی۔ کاریں دو ہونا چاہیں۔ ایک کار اسے اسکول لے جانے اور لانے کے لیے ہو۔ اب میں اپنے تمام کاغذ ٹیپ ریکارڈر اور سارا سامان کسی اونچی محفوظ جگہ رکھ دوں گا۔ اس کی پہنچ سے دور "

" اچھا ۔۔۔ ! اس کی پہنچ سے دور ۔۔۔ ؟ " شانتا اس کی طرف مسکرا کے دیکھتی تو وہ سچ مچ گھبرا جاتا۔

" ہاں بھئی۔ ابھی تو یہ چیزیں کسی اونچی جگہ رکھ دیں گے ۔ بعد میں سوچنا پڑے گا۔ "

اور وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر سوچنے لگا کہ کون کون سی چیزیں چھپانا ہیں۔ ایک دن جب وہ دونوں اس کی آمد سے کچھ خوفزدہ سے تھے تو سوامی ناتھ نے کچھ مذاق کے موڈ میں شانتا سے کہا۔ " تمہیں تو بہت ستایا کرے گا وہ۔ "

" کیوں ۔۔۔ ؟ مجھے کیوں ستائے گا وہ ۔۔۔ ؟ " شانتا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

" اور تم تو شاید اس کے آگے بھی ایک دھرماتما کا سوانگ رچائے رہوگے ؟ "

بستر پر لیٹے لیٹے ہر دن پہلے سے زیادہ موٹی ہونے والی شانتا کو لوگوں کو جتنی بھاری بھر کم نظر آرہی تھی، اندر ہی اندر وہ اتنی ہی ہلکی ہوتی جارہی تھی۔ اسے کبھی تو کونوں میں دبک کر چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے والے نوکروں پر غصہ آتا اور کبھی سوامی ناتھ پر ۔۔۔ اور سب سے زیادہ رنگا چاری پر ۔۔۔ ہونہہ ۔۔۔ جب دیکھو منہ اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ کوئی دیکھے تو کیا سمجھے ۔۔۔ اور پھر وہ آرہا ہے۔

سلمی کا بچہ کتنا ٹرا ہے ۔ ہر بات میں دخل دیتا ہے ۔ یہ کیوں ہوا ... ؟
آپ نے ایسا کیوں کہا ... ؟ کہاں گئی تھیں ۔ کس کا فون آیا تھا ۔ نا بابا نا ۔
میں تو پاگل ہوجاؤں ایسے سوالوں سے ۔ شاتتا ابھی سے گھبرای جارہی تھی ۔
جانے وہ کیسا ہوگا ۔ کتنا ستائے گا اسے ۔ کیا کیا سوال کرے گا اس سے ... !

پھر ڈاکٹر نے سنادیا ... اس مہینے کے آخر تک وہ آجائے گا ۔

وہ جس کے انتظار میں شاتتا گزشتہ پندرہ برس سے کبھی چین کی نیند نہ سوئی تھی ۔ گھر کے ہر ہر کونے میں وہ جھانک جھانک کر چھپ جاتا تھا ۔ اس کے بغیر شاتتا ہر جگہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتی تھی ... مگر جب ڈاکٹر نے اس کے آنے کی خوشخبری سنائی تو گھبراہٹ کے مارے شاتتا کا دل دھڑکنے لگا ... وہ کیا کرنے آرہا ہے ۔ کیا کیا کھیلنے .... کیا کیا پوچھنے ... !

ادھر سوامی ناتھ نے الیکشن کیا جیتا کہ اس کے حریف انگاروں میں نہاگئے ۔ جہاں جہاں اس کی کامیاب کے جلسے ہوئے تو اعتراض کرنے والوں نے پتھر برسائے ۔ ایک پتھر سوامی ناتھ کے ماتھے پر آن لگا ۔ اب وہ ہاسپٹل میں سر کو پٹی باندھے پڑا تھا اور فون پر شاتتا سے باتیں کرلیتا ۔ ہیلو شانتی ! تم نے کچھ اور سنا ... کسی الو کے پٹھے نے میرے خلاف انتخابی عذرداری دائر کردی ہے ۔ اخبار والے بڑا ہنگامہ مچارہے ہیں ۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی گھر پر بھی انکوائری کرنے نہ آجائے ۔"

شام کو سوامی ناتھ کا پہلا فون آیا ۔

" ہیلو شانتی ! سنو ، میری الماری میں جو فائلیں ہیں نا انہیں کہیں چھپادو اور جو میرے کیسٹ ہیں انھی بھی ERASE کردو ۔ جلدی سے ابھی .... سمجھ گئی نا ... !"

اونہہ ... کون سنے گا ان کے کیسٹ ، جانے کون سے راز چھپے ہیں ان میں ۔ شاتتا نے جھلا کر سوچا اور پھر یاد آیا ... ہاں ... وہ آرہا ہے ۔ بڑی کاہلی

کے ساتھ شانتا نے جھلا کر سوچا۔ سب کیسٹس نکالے اور ٹیپ ریکارڈر پر لگا کر سننے لگی۔ اس میں سوامی ناتھ کی کچھ یادداشتیں تھیں۔ کچھ خفیہ پیغام تھے، کچھ دوسرے لوگوں کے راز۔ اچانک شانتا کی نظر سیڑھیوں پر گئی۔ ایک دبلا پتلا سا نوجوان ادھر آرہا تھا۔ ہاتھ میں ایک بریف کیس اور کچھ کاغذ تھامے ہوئے۔ شانتا اسے بڑی دلچسپی سے سیڑھیاں چڑھتے دیکھنے لگی۔ یوں لگا جیسے اس کا ننھا سا بیٹا سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے بڑا ہورہا ہے۔ کسی فلمی منظر کی طرح وہ ایک اونچا پورا نوجوان بن گیا۔ سر پر گھنگریالے بالوں کا ایک ٹوکرا اٹھائے۔ سفید کرتہ پاجامہ اور لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ... وہ آرہا ہے... شانتا اسے اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھی۔

"نمستے... کیا آپ مسز سوامی ناتھ ہیں؟" اس نے جھک کر بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا "مجھے آپ سے چند سوال کرنے ہیں۔"

"کیا...؟ مجھ سے سوال کرنا ہیں تمہیں؟ نہیں نہیں..." وہ خوف کے مارے کانپنے لگی۔ کانوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی اور چیخ مار کے گر پڑی۔

لیڈی ڈاکٹر نے اسے اچھی طری الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اس کے ابھرے ہوئے پیٹ پر لاؤڈ اسپیکر کی شکل کا ایک آلہ رکھ کر کچھ سننے کی کوشش کی۔ مگر بچے کی آواز شانتا بھی سن رہی تھی...

"آپ مسز سوامی ناتھ ہیں؟ مجھے آپ سے کچھ سوال کرنا ہیں۔" بہت دور سے اس کی مدہم آواز آرہی تھی۔

"نہیں نہیں مجھ سے کچھ مت پوچھو... میں نے کچھ نہیں کیا..." وہ پھر چلانے لگی۔

"یہ پاگل نہیں ہوئی ہیں۔ کسی ذہنی پریشانی سے بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر کہہ رہی تھی۔ انھیں مکمل سکون چاہیے۔

شاتا کی بیماری کی خبر سن کر سوامی ناتھ سر پر پٹی باندھے گھر آگیا۔
" وہ آرہا ہے ..." سوامی ناتھ کو دیکھ کر شاتا پر پھر پاگل پن کا دورہ پڑگیا۔ مگر آج سوامی ناتھ بھی اس کے آنے کی خبر سن کر یوں اچھل پڑا جیسے یہ خبر آج ہی سنی ہو۔ کسی اندرونی خوف سے وہ کانپنے لگا۔ گھبراہٹ کے مارے بریف کیس ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا اور تمام کاغذ ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس کے سارے کیسٹ میز پر کھلے پڑے تھے۔ سوامی ناتھ زمین پر بیٹھ کر جلدی جلدی سب کاغذ اور کیسٹ سمیٹنے لگا اور سب چیزوں کو ایک کونے میں ڈال کر اس نے لائیٹر سے یوں آگ لگادی جیسے اس کے جرم کو ثابت کرنے والا اس کے دروازے پر کھڑا ہو۔
" میں کیا کیا جلاؤں "... شاتا ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی۔

•••

پتھر کا شہزادہ

آیئے .... آیئے میڈم جی .... چھوٹے بابا۔ !

آپ نے پورے شہر کی سیر کرلی ! مگر اس میوزیم کو دیکھے بغیر کینڈا واپس مت جایئے ....

شام ہوگئی ہے ... ؟ اجی میڈم ! شام تو روز ہی ہوا کرتی ہے ۔ روز مشرق بڑی بھاگ دوڑ کر کے سورج کو دنیا کی طرف گھسیٹ کر لاتا ہے ۔ اور روز مغرب اسے اندھیرے میں ڈبو دیتا ہے ۔ بابابا .... آپ بے فکر رہیے ۔ رات ہونے سے پہلے آپ اپنے ٹھکانے پر ضرور پہنچ جائیں گی۔

اس میوزیم میں دنیا کے ہر کونے سے نایاب چیزیں اکٹھی کی گئی ہیں ۔

یہ لیجیے .... یہ اس میوزیم کی گائیڈ بک ہے ۔ اور یہ البم ہے ... میں اس کی قیمت نہیں لوں گا ۔

آپ میرے بغیر اس میوزیم کو نہیں دیکھ سکیں گی میڈم ۔ آپ کو ایک گائیڈ کی ضرورت ہے ۔

ابھی آپ میوزیم کے اندر قدم مت رکھیے ۔

وہ آپ کو سامنے بادشاہ کا دربار خاص نظر آرہا ہے ۔ ؟
آپ یہاں کھڑے ہو کر تالی بجائیے ۔
پورے محل میں آواز گونج اٹھتی تھی ۔ "کوئی فریادی آیا ہے ..... ؟"
بادشاہ سلامت گھبرا کے اٹھ جاتے تھے ۔
مگر جھٹ پٹ سارے مصاحب ان کے آس پاس کھڑے ہوکر انہیں یقین دلاتے تھے ۔ یہ تو جھونکا ہوا کا تھا ۔ بھلا ان کے راج میں کسی کو فریاد کرنے کی کیا ضرورت ہے ..... ؟
اب ملاحظہ فرمائیے ۔
یہ ایک نایاب گھڑی ہے ..... ایک صدی ہو گئی ۔ ہر گھنٹے پر گھڑی کے اندر سے ایک غلام نکل کر ڈرم پر ضرب لگا کر محل کے اندر سونے والوں کو جگانا چاہتا ہے ۔
مگر ابھی تک بچارے کی آواز محل والوں تک نہیں پہنچ سکی ۔
ذرا ٹھیریئے ۔ ابھی اندر مت جائیے ۔ پہلے دروازے پر رکھے ہوئے ان حبشی غلاموں کے اسٹیچو تو دیکھ لیجیے ۔
آپ کا بیٹا ٹھیک کہہ رہا ہے میڈم ! ..... ان غلاموں کی آنکھیں نکال دی جاتی تھیں ۔ اور انھیں مردانگی سے محروم کردیا جاتا تھا ۔ کیونکہ وہ بیگمات کے حرم سرا کی حفاظت کرتے تھے ۔
یہ دیکھیے ۔ محل کے دروازے پر کتنی شاندار توپیں رکھی ہوئی ہیں ۔
آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں چھوٹے میاں .....
اگلے وقتوں میں جب راجہ کسی ملک پر چڑھائی کرتے تھے تو وہاں کے عوام کو سنگسار کیا جاتا تھا ۔ پھر تلواروں سے مارنے لگے ۔ پھر بندوقوں سے ...
اور اب تو عوام کے سر پر ایٹم بم کا سوئچ دبایا جاتا ہے ۔ بابابا ....

آئیے ۔ اب میوزیم کے اندر چلتے ہیں ....

یہ شہنشاہ بابر کے جوتے ہیں ۔۔ ان ہی جوتوں کو پہن کر وہ ہندوستان میں داخل ہوا تھا ۔ آج بھی سیاست کے میدان میں داخل ہونے والے ان جوتوں میں پانوں ضرور ڈالتے ہیں ۔

یہ وہ تاج ہے جو شہنشاہ جہانگیر نے انار کلی کے لیے بنوایا تھا ۔ بعد میں انار کلی کا سر اس میں سے غائب کردیا گیا ۔

اب آپ یہ دیکھیے .... یہ شہنشاہ اکبر کی تلوار کی میان ہے .... جی نہیں بادشاہوں کی میان میں تلوار کبھی نہیں رہی ۔ وہ تو صرف میان ہی سے ڈراتے تھے ۔

یہ ایک شہنشاہ کی خواب گاہ ہے ۔ سونے کا چھپر کھٹ .... سونے کی جالیاں ۔ خواب گاہ کے سامنے سات کنواریاں سر جھکائے کھڑی ہیں ۔

کون جانے ۔ آج کس کے نصیب جاگیں گے .... ؟

یہ ایک بھکاری کا اسٹیچو ہے ۔ اسے بھی ضرور کسی بادشاہ نے ہی بنوایا ہوگا ۔ دونوں ہاتھ پھیلائے وہ بھیک مانگ رہا ہے ....

اس کے بارے میں صحیح طور پر میں بھی نہیں بتاسکتا کہ یہ کونسا زمانہ تھا ، جب کسی بادشاہ نے اپنے آگے کسی ہاتھ پھیلانے والے کو نہ پاکر ، یہ اسٹیچو بنوایا ہوگا !

یہ میرزا غالب کی ٹوپی ہے .... ہاں ، اس کا سائز بہت بڑا ہے ۔۔ بہت سے شاعروں نے اسے پہننے کو کوشش کی ۔ مگر ان کا منہ چھپ گیا .... ہاہاہا .... پہلے میرزا غالب کا قلمی دیوان بھی اس میوزیم میں تھا ۔ سنا ہے کچھ ضرورت مند ادیبوں نے اس کا نیلام کردیا ۔

اب آپ اس گیلری میں آئیے ۔

یہاں دنیا بھر کی نایاب پینٹنگس کا کلکشن ہے میڈم !

یہ دیکھیے ... ایک شاعر دربار میں بادشاہ کی شان میں قصیدہ پڑھ رہا ہے۔ اس شاعر کا منہ موتیوں سے بند کردیا جاتا تھا.....

اس زمانے میں ایوارڈ دینے کا یہی طریقہ تھا میڈم جی....

یہ ایک اور شہنشاہ کا دربار ہے۔

سارے نورتن سر جھکائے آنکھیں بند کیے کھڑے ہیں۔

جی....؟ آپ کے بیٹے پوچھ رہے ہیں کہ کیا یہ پارلیمنٹ ہاوز ہے۔ ہاہاہا....

سنا ہے ان درباروں میں آنے والوں کا اگر قد اونچا ہوتا تھا تو ان کا سر کاٹ کر چھوٹا کردیتے تھے۔

یہ دنیا کی نایاب کتابوں کے مین اسکرپٹس ہیں.... ان میں کیا لکھا ہے....؟ یہ تو شاید ابھی کھول کر نہیں دیکھا گیا ہے.....

آپ پہلے یہ پینٹنگ دیکھ لیجیے میڈم ! سقراط کو سچ بولنے کے جرم میں زہر کا پیالہ پلایا جارہاہے۔ ہاں چھوٹے بابو !.... سچ بولنا آج کی طرح اس وقت بھی جرم تھا۔

یہ ایک اور بھی پینٹنگ ہے۔ نا فرمانی کرنے والے کو سنگ سار کیا جارہا ہے۔ چھوٹے میاں !...... پرانے زمانے میں انہیں پتھروں سے مارتے تھے... پھر تلواروں سے مارنے لگے... پھر بندوقوں سے نا فرمانی کرنے والوں کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اب ان کے سروں پر ایٹم بم رکھدیا گیا ہے۔

جی ہاں۔ دنیا مسلسل ترقی کر رہی ہے نا......

یہ مصر کا بازار ہے.... نیم برہنہ حسینائیں۔ اپنے حسن اور جوانی کی جھلک دکھا کر امیروں اور شہزادوں کو اپنی طرف متوجہ کررہی ہیں۔ نہیں چھوٹے بابو !.... یہ کناٹ پلیس نہیں ہے....

اس فریم کے اندر سونے کے حروف سے لکھا کسی شہنشاہ کا فرمان

مبارک ہے ۔ اس فرمان کی عبارت کا ترجمہ الگ رکھا گیا ہے ۔

" حرم سرا کی دو سو رانیوں کے منصب کو دوگنا کردیا گیا ہے ۔ "

" آزادی ۔ تمام وزیروں کے لیے ۔ "

" خلعت اور انعام ... تمام شہزادوں کے لیے ۔ "

" سزائیں اور جرمانے ۔ سوچنے والے نوجوانوں کے لیے ۔ "

باغی اور سرکش عوام کو جہنم رسید کرنے کے لیے ظل سبحانی نے اپنے ملک میں ہی ایک دوزخ تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے ۔

یہ ملکہ عالم کے زیوارات ہیں ۔۔

یہ شہزادے کا سونے کا پالنا ہے ۔

یہ شہنشاہ کے ہیروں موتیوں سے آراستہ جوتے ہیں ۔

اس سیکشن میں دنیا کے نایاب اسٹیچوز ہیں میڈم !

ان سنگ تراشوں نے بڑے بڑے مہاتماؤں اور دنیا کی مشہور ہستیوں کو کس خوبی سے پتھر میں ڈھال دیا ہے .... ملاحظہ فرمایئے بیگم صاحبہ .....

بہن جی ..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ۔ پتھر کو پیار عقیدت کے ہاتھوں سے ڈھالو تو بھگوان کا روپ دھارلیتا ہے ۔ اور ہوس بھرے ہاتھ ایک عورت کو پتھر بنادیتے ہیں ۔

یہ دیکھیے ..... یہ میرا بائی ہے ۔ کہتے ہیں اس کے پتی نے اس کے ہاتھ سے اکتارہ چھین کر اس کے منہ سے گیت بھی چھین لیے تھے ۔ آپ دیکھیے ..... اب وہ اس میوزیم میں پتھر کی عورت نظر آتی ہے ۔

یہ دیکھیے ... فرعون ..... راون ..... مسولینی .... ہٹلر کے اسٹیچوز ہیں ۔ دور سے دیکھیے تو ایسا لگے گا جیسے سچ مچ کا فرعون کھڑا اپنی خدائی کا اعلان کررہا ہے ۔

اس کے بعد یہ سب اور بادشاہوں اور ہمارے لیڈروں کی قطار شروع

ہوجاتی ہے ۔ ان کو بھی خدا ہونے کا اتنا ہی یقین تھا ۔۔۔

یہ ہمارے آخری راہ نما ہیں ۔۔۔

قریب آکر دیکھو چھوٹے بابا ! ۔۔۔ وہ ہاتھ میں ایٹم بم اٹھائے اس سنسار کے خاتمے کا اعلان کرنے والے ہیں ۔ مگر ایک اڑچن آگئی ہے ۔۔۔۔

ساری دنیا کو ختم کردیں گے تو انھیں نوبل پرائز کون دے گا ۔۔۔ ؟

اب سامنے دیکھیے ۔۔۔۔۔

کتنا اونچا مہاتما بدھ کا مجسمہ ہے وہاں ۔

آپ چاہیں کسی طرف جا کھڑے ہوں ۔ بدھا کی نگاہیں آپ کا پیچھا کیے جائیں گی ۔۔۔

میڈم جی ! ۔۔۔ کچھ دیر یہاں رک جائیے ۔

آنکھیں بند کرلیجیے ۔ اور غور سے سنیے ۔۔۔

بدھا آپ سے کہہ رہا ہے ۔۔۔۔

" تم جو کچھ کہہ رہے ہو ، اسے سنا بھی کرو ۔ "

یہ پینٹنگ یہاں پہلے نہیں تھی ۔ شاید ابھی آئی ہے ۔

یہ کسی آج کے مصور کی آخری پینٹنگ ہے ۔ سنا ہے اس کی سب پینٹنگس جلادی گئیں ۔ اس کا ٹائیٹل ہے ۔" پتھر کا شہزادہ "

سوری میڈم ۔۔۔۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ مصور نے اس پنٹنگ کا یہ ٹائیٹل ،کیوں رکھا ہے ۔۔۔۔ ؟

شہزادے کو تو پیچھے پلٹ کر دیکھنے پر سزا ملتی تھی ۔ مگر اس شہزادے کو شاید آگے دیکھنے کے جرم میں پتھر بنادیا گیا ہے ۔۔۔۔۔

•••

کتوں سے خبردار

" BEWARE OF DOGS "

خوبصورت لوہے کی جالی والے گیٹ پر یہ تختی دیکھ کر ڈر گئے ؟
حالانکہ یہ بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ ان شاندار بنگلوں میں خونخوار کتے چھپے بیٹھے ہیں ۔ ان کے حملے سے خبردار رہنا چاہیے ۔

تو آج تم بھی اس گیٹ کے اندر داخل ہو رہے ہو ۔ کتوں سے ہوشیار رہنے کی تختی پڑھنے کے بعد بھی اندر آنا چاہتے ہو تو کال بیل بجا کر اپنی اس کامیابی کا اعلان کردو ۔

اگر تم کال بیل نہیں بجاؤ گے تو ڈرائنگ روم کے قیمتی صوفے پر اونگھنے والے کتے کو تمہارے آنے کی خبر کیسے ہوگی ..... ؟ وہ جب کسی نئے شکار کے آنے کی خبر سنتا ہے تو تھوتھنی اٹھا کر اپنے کان کھڑے کر لیتا ہے ۔ تاکہ ہواؤں کی بو سونگھ کر آنے والے خطرے کا اندازہ لگا سکے ۔ اس نے بہت سے خوب صورت چہرے ، اپنے بزرگ شیوا آرٹسٹ ، درندے اور دیوتاؤں

کے سر کاٹ کر ڈرائنگ روم کی دیواروں پر سجا دیئے ہیں ۔ اب وہ بڑے اطمینان سے صوفے پر لیٹا اونگھ رہا ہے اور ہر نئے آنے والے کے چہرے پر اپنی قہر بھری آنکھیں گاڑ کر پوچھتا ہے ....

بھوں ..... بھوں .... بھوں ...... ؟

تب تم سوچتے ہو ... اب اگلا قدم کہاں رکھوں ..... ؟

مگر چاروں طرف پھیلے ہوئے خطروں کے جال میں اب تم الجھ چکے ہو ... گیٹ پر لگی تختی پڑھ چکے ہونا .... ؟ " BEWARE OF DOGS "

اگر اندر آتے ہی تمہارے پیر فوم کے قالین میں دھنس جائیں تو سمجھ لو کہ اب تم واپس نہیں جاسکتے ۔ اب تم اس ڈرائنگ روم کی آرائش کا حصہ بن چکے ہو ...

کیونکہ ہمیشہ یہی ہوا ہے ...... اس ٹھنڈے ، خوبصورت ، آرام دہ کمرے میں ایک بار آنے والے پھر واپس نہیں جاسکے ......

ذرا اپنے دائیں بائیں دیکھو ......

دونوں طرف دو شیر منہ کھولے کھڑے ہیں ۔ تمہیں دیکھ کر ان کے منہ سے رال بہہ رہی ہے ۔ ان کی آنکھوں میں بھوک جاگ چکی ہے ۔ شکار پر جھپٹ پڑنے کے لیے ان کے ناخن باہر نکل آتے ہیں .... اور شیر جب حملہ کرنے کے پوز میں آجائے تو اس کے پنجے سے کوئی نہیں بچ سکتا .... اس ڈرائنگ روم کی تاریخ یہی کہتی ہے کہ ایک بار جو اندر آیا اسے قیمتی چیزوں کی جگمگاہٹ نے اندھا کردیا ... وہ اس ڈرائنگ روم کا ایک حصہ بن گیا ۔

وہ دیکھو ... سامنے دیواروں پر ، وہ سب آرٹسٹ ، شاعر اور مجسمہ ساز لٹکا دیئے گئے ہیں ... چپ چاپ .... سر جھکائے ، ہاتھ باندھے ... یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے تیشے سے دودھ کی نہریں بہایا کرتے تھے ۔ بے جان مورتیوں میں جان ڈال دیتے تھے ۔ مگر اب خود پتھر بن گئے ہیں ... اب تمہاری خیر اسی میں

ہے کہ تم دیوار کی داہنی طرف تیز، شوخ، بھڑکیلے رنگوں والی پینٹنگ میں کھوجاؤ ... مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دھندلکوں میں دیکھنے کے عادی ہوجاو ... کیونکہ ڈرائنگ روم کا مالک تیز روشنی میں ہر چیز کی حقیقت ظاہر کرنا نہیں چاہتا، ویسے بھی دھندلکا نہ ہو تو اس خوب صورت عورت کا برہنہ بدن اچھا نہیں لگے گا۔ عورت ہمیشہ فاصلے سے اچھی لگتی ہے۔ دھندلکوں میں چھپی رہے تو اس کی دلکشی بڑھ جاتی ہے۔ یہ بات دنیا کے تمام بڑے آرٹسٹوں نے کہی ہے، وہ تمام ان مول آرٹسٹ، جنھیں اس ڈرائنگ روم کے مالک نے کوڑیوں کے مول خریدلیا۔

کتنی خوبصورت لگ رہی ہے نا وہ .... ! اپنے ننگے بدن کو چھپانے کی ناکام کوشش میں مصروف ... پاگل ہے وہ .. اس ڈرائنگ روم میں آکر اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہے ... شاید اس نے گیٹ پر لگی تختی نہیں دیکھی ...

" BEWARE OF DOGS "

تمھیں ایسا لگ رہا ہے کہ وہ عورت اپنے حسن کو اس کمرے کی دہشت ناک فضا میں تحلیل کررہی ہے .... ؟

آگے مت بڑھو ... اس ناگ کو دیکھا ... ؟ وہ، جو سیاہ تپائی پر کنڈلی مارے بیٹھا ہے .... اس کی سرخ یاقوت کی آنکھیں اور کپکپاتی ہوئی زہریلی زبان، اس ڈرائنگ روم کے ماحول کو ہر وقت ڈسنے کے لیے تیار ہے، کم سے کم یہاں آنے والے کو یہی لگتا ہے کہ اب اُس سے بچنا ناممکن ہے۔

مگر دوسرے ہی لمحے، کونے میں سر جھکائے ہوئے بیٹھی جوگن اسے ڈھارس بندھاتی ہے۔ جوگن کے ہاتھ میں اکتارہ ہے اور ہونٹوں پر بھیرویں کے سر ... اور جب فضا میں بھیرویں کے سر گھلے ہوں تو انسان کو بڑا حوصلہ ملتا ہے۔ گھنگھور اندھیرے میں اجالے کے خواب سے دکھنے لگتے ہیں۔ روشنی کی امید اسے تھام لیتی ہے ... اس طرح اس ڈرائنگ روم میں رک جانے کی

جرات اس میں آجاتی ہے ۔ اس جوگن نے گردھر گوپال کے سوا ہر چیز کو بھلا رکھا ہے ... ساری دنیا سے منہ موڑ کر وہ یہاں آبیٹھی ہے ۔ کتنے تعجب کی بات ہے نا یہ ؟ ... بھلا سوچیے تو کہ جوگن موہ مایا کے جال کو توڑ کر پہنچی تو کہاں ...؟ اس ایر کنڈیشنڈ ڈرائنگ روم میں جہاں اکتارے پر اس کی انگلیاں ٹکی ہوئی ہیں اور لبوں پر بھیروئیں کے سر تھم گئے ہیں ۔

بشت ... اب آگے قدم مت بڑھاؤ

اس شوکیس میں بڑی قیمتی چیزیں رکھی ہیں ... ہیرے اور موتیوں سے جڑی تلوار کی میان ، جس کے اندر تلوار نہیں ہے .... کبھی نہیں تھی ... اس کے باوجود تلوار کے مالک نے ہر لڑائی جیتی ہے ... ہر داؤ پر بازی لگائی ... اور اس کے دشمن ہیرے جڑی تلوار کے خالی میان سے گھائل ہوتے رہے ۔ انھیں قیمتی شوکیس میں رکھ دیا گیا ہے تاکہ تم جان سکو کہ وہ کون لوگ تھے جو ہیرے موتی جڑی تلواروں سے لڑتے تھے ۔ مخمل کے قالینوں پر چلتے تھے ۔ سونے کے چھپر کھٹ پر سوتے تھے ۔ ان کی جوتیوں کی نوک اوپر کی طرف مڑی رہتی تھی ۔ ان کی جوتیوں کی نوک تیز دھار والے چاقو کی طرح کیوں بنائی جاتی تھی ؟ تاکہ ان کی ضرب سے اچھلنے والی چیز دور جاگرے ۔

ارے !تم اتنے خوف زدہ کیوں ہوگئے .... ؟

شاید اتنے شاندار ڈرائنگ روم میں آنے کا تمہارا پہلا اتفاق ہے ؟

ادھر بھی دیکھو ... اچھا لگا نا یہ اسٹیچو ؟ ... ایک خوف زدہ ماں ایک ننھے سے بچے کو اپنی باہوں میں چھپائے بیٹھی ہے ... ماں کے چہرے پر آرٹسٹ نے کتنا خوف دکھایا ہے ۔ ماں کے چہرے کی یہ دہشت ساری فضا میں پھیل گئی ہے ۔ جیسے ساری دنیا کی مائیں اپنے ننھے بچوں کو پلو میں چھپائے بھاگتی پھر رہی ہوں ۔ چھپنا چاہتی ہوں ۔ مگر پناہ کہیں نہیں ملے گی ۔ ہر طرف خوف

ناک درندے منہ کھولے کھڑے ہیں۔ زہریلے ناگ پھن اٹھائے بیٹھے ہیں اور ہر دروازے پر تختی لگی ہے ... "کتوں سے خبردار..."

اس ماں کو بچانے کی کوشش مت کرو۔ تمہارے اور اس کے بیچ میں ایک بہت بڑا کانٹوں بھرا واز رکھا ہے ... لہو لہان ہوجاؤ گے .... یہ خاردار جھاڑیاں بڑی دور دور سے منگوائی گئی ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ قیمتی گلدان میں سجائی گئی ہیں۔ ہاں اب گلدانوں میں پھولوں کی بجائے کانٹے سجائے جاتے ہیں۔ پھول اب انسانوں کو کچھ نہیں دیتے ... اب تو دل میں اترجانے والے کانٹوں کی سب کو ضرورت ہے۔ اس لیے اب ہر مہذب انسان اپنے مہمانوں کے لیے ڈرائنگ روم میں کانٹے سجاکر رکھتا ہے۔ انٹیریر ڈیکوریشن کا یہ فن آج ہر لڑکی جانتی ہے کہ کونسی چیز کو کس جگہ اور کب استعمال کرنا چاہیے۔

مگر یہ ڈرائنگ روم کسی فیشن ایبل لڑکی کا نہیں ہے۔ یہاں کا تو ایک شوپیس اتنا قیمتی ہے کہ شہر کی آدھی لڑکیاں خریدی جاسکتی ہیں .... خریدی گئی ہیں۔ کیونکہ اس ڈرائنگ روم کا مالک بڑا اعلیٰ ذوق رکھتا ہے۔ قیمتی اور انوکھی چیزیں جمع کرنا اس کی بابی ہے ... یہ دیکھو رنگ برنگی گڑیوں سے بھرا ہوا شوکیس۔ ہر دیس کی چنچل کنواری اس شوکیس میں بند کردی گئی ہے۔ جب اچانک ان پر نظر پڑتی ہے تو مت پوچھو کہ کیا حال ہوتا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اتنی حسین لڑکیوں کو ساکت کردیا گیا ہے اور اب وہ اپنے اوپر جھپٹ پڑنے والے کتوں کے انتظار میں قطار باندھے کھڑی ہیں۔

کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اس ڈرائنگ روم میں بات کرنے کا ایک خاص انداز ہے؟ دھیما دھیما... سرگوشیوں بھرا؟ یہاں مہذب انداز میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ بڑی محبت کے ساتھ دشمنی کی جاتی ہے۔ اس ڈرائنگ روم کی سیاست ساری دنیا کو تہس نہس کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

کیا تم نے ابھی تک ڈرائنگ روم کے مالک کو نہیں دیکھا...؟

وہ سامنے کی دیوار پر دیکھو... قیمتی فریم کے اندر آرام کرسی پر بیٹھا کتاب کون پڑھ رہا ہے ...؟ اس انسان کی زندگی کا یہ واحد لمحہ ہے ، جب فوٹو گرافر کے کھنچے پر اس نے زندگی میں پہلی بار کتاب ہاتھ میں اٹھائی تھی ۔ اسی لیے تو شیشے کی الماریوں میں گورکی ، شیکسپیر ، کارل مارکس ، میر اور غالب کو سنہری جلدوں میں سجا کر بڑے سلیقے سے رکھا ہے اور بڑی احتیاط کے ساتھ ان الماریوں میں تالا ڈال دیا گیا ہے ۔ کیونکہ ڈرائنگ روم کا مالک جانتا ہے کہ جس نے ان دانشوروں کی بات سنی وہ دونوں جہاں سے گیا ۔

اسی لیے یہاں کسی آرٹسٹ کو زبان کھولنے کی اجازت کبھی نہیں ملی ۔

تو آج اس شاندار ڈرائنگ روم میں تم نے کیا دیکھ لیا !

یہ کمرہ اپنے مالک کی شخصیت کا آئینہ ہے ۔ اس کی گزری ہوئی نسلوں کی تاریخ ہے ۔ اس کے اگلے پروگراموں کا منصوبہ ہے ...... اس تصویر میں دیکھو ... ڈرائنگ روم کا مالک ہاتھوں میں پھولوں کا ہار لیے ایک عظیم سیاسی لیڈر کے آگے جھکا ہوا ہے ۔ اس کے جھکنے کے انداز سے تمہیں یقین نہیں آتا کہ اب وہ بہت جلدی ، بڑی اونچی چھلانگ لگائے گا اور کسی اونچی کرسی پر جا بیٹھے گا ۔ کیونکہ اس کے سامنے آنے والا شکار کبھی بچ نہیں سکا ۔ وہ اپنے شکار پر جھپٹنے کا ہر داؤ جانتا ہے ۔ اس نے سارے اہم چہرے ، اپنے بزرگ ، درندے ، آرٹسٹ اور دیوتاؤں کے سر کاٹ کر سنہرے فریموں میں بند کر کے دیواروں پر لٹکا دیے ہیں ۔ اب وہ بڑے اطمینان کے ساتھ صوفے پر لیٹا آنے والوں پر بھونکتا ہے ....

بھوں ... بھوں ... بھوں ...

اب تم بھی پتھر کا ایک اسٹیچو بن کر ایک میز پر کرسی پر سجا دیے جاؤ گے ۔ زندگی بھر اسی طرف دیکھو گے جدھر وہ تمہارا رخ پھیرے گا ۔ پتھر کے اسٹیچو اسی طرح سجائے جاتے ہیں ۔ اب تمہیں نرم قالین کی دلکشی نے ، سونے کے

چھپر کھٹ نے ، دیس بدیس کی چنچل کنواریوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے ۔ اس لیے اب تم بھی گیٹ کی طرف منہ کر کے دیکھتے رہو ... اس تختی کو پڑھتے رہو ، جس پر لکھا ہے ۔ BEWARE OF DOGS ... اور ساری دنیا کی طرف منہ کر کے بھونکتے رہو ... بھوں ... بھوں ... بھوں ...

•••

خالی صراحی

اس سوانگ کے ساتھ، جو وقت نے آج رچا یا تھا، لیلی بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ باہمت، نڈر، خود سر لیلی، جو قدم قدم پر اپنے نام سے وابستہ تصور کی نفی کرتی تھی۔ آج فضا میں ہر طرف مئی کی گرم شام والی گھٹن کا غلبہ تھا، مگر لیلی کے اندر تو جیسے ٹھنڈی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ اتنی ٹھنڈ تھی اس کے اندر کہ بعض وقت تو وہ کانپنے لگتی تھی۔

اس کے سامنے حیدرآباد کا فیشن ایبل بازار پھیلا ہوا تھا، جگمگارہا تھا، بہکا رہا تھا۔ یہ بازار تو انسان کو کہیں سے کہیں پہنچادیتے ہیں۔ انسان ایک چیز خریدنے نکلتا ہے اور کوئی اور چیز سنبھالے گھر لوٹتا ہے۔ لیلی کے آس پاس مردوں، عورتوں کا ہجوم تھا۔ ہر طرح کی عورتیں تھیں۔ خالی ہاتھ کپڑوں کی دکانوں کو ترسی ہوئی نظروں سے دیکھنے والی عورتیں۔ دونوں ہاتھوں سے وزنی پیکٹ سنبھالے کاروں کی طرف جانے والی عورتیں جن کے مرد بچوں کا ہاتھ تھامے ہوئے چل رہے تھے اور بڑے خوش تھے۔ جیسے بیوی کی اس فضول

شاپنگ پر اتنے روپے خرچ کر کے انہوں بڑی بازی جیت لی ہو۔

وعدہ تو شیام نے بھی لیلی سے یہی کیا تھا کہ وہ لیلی کی ہر خواہش پوری کرے گا۔ لیلی گھوم کر اسٹیٹ بینک چوراہے کی طرف دیکھنے لگی جدھر سے شیام کی بس آیا کرتی ہے۔ پھر وہ دونوں رجسٹرار آفس جائیں گے۔ میرج سرٹیفیکیٹ پر سائن کرنے کے لیے۔

لیلی نے اپنے آپ کو غور سے دیکھا۔ بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کوئی یقین نہیں کرسکتا کہ وہ چند منٹ میں دلہن بننے والی ہے۔ بلیو امریکن جینس اور سرخ ڈسکو پہنے۔ کاندھے پر ایک بیگ لٹکائے۔ وہ کسی کالج کی جونیر اسٹوڈنٹ لگ رہی تھی۔ آج اس نے نہانے کے بعد اپنے چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے جھنڈولے بالوں کے جھنڈ کو بھی نہیں سلجھایا تھا۔ کوئی میک اپ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مما برج کھیل کر کلب سے واپس آجائیں اور پوچھ لیں کہ وہ کہاں جارہی ہے۔ وہ جھوٹ تو کبھی بولتی نہیں اور اگر سچ کہہ دیتی تو...؟

رات کو ہی گھر میں بڑا ہنگامہ ہوچکا تھا۔ ڈیڈی اور مما نے جب دیکھا کہ لیلی کی دوستی شیام سے بڑھتی ہی جارہی ہے تو انہوں نے کل راشد انکل کو بلوایا تھا۔ راشد انکل ڈیڈی کے بچپن کے دوستوں میں سے تھے اور ہر آڑے وقت پر کام آتے تھے۔ ڈیڈی ٹھہرے پکے بزنس مین جنھیں فائلوں پر دستخط کرنے کے سوا اور کچھ نہ آتا تھا اور راشد انکل نے اتنا پڑھا تھا کہ وہ کسی کالج کے پرنسپل ہوگئے تھے۔ اب یہ ہوتا کہ دولت کے چابک سے ڈیڈی کا کوئی ٹٹو آگے نہ بڑھتا تو وہ مدد کے لیے راشد انکل کے علم کی لاٹھی کا سہارا لیتے (اگرچہ ڈیڈی اس بات کو پھر بھی نہیں مانتے تھے کہ کوئی کام دولت سے نہیں ہوسکتا)

جب کبھی مما اور ڈیڈی میں بہت زور دار لڑائی ہوتی... ڈیڈی دو چار ڈنر

سیٹ توڑ ڈالتے اور مما نیند کی گولیوں کا پیکٹ تلاش کرنے لگتیں تو لیلی فون کر کے راشد انکل کو بلوالیتی۔ کیوں کہ بھاری بھرکم نشے میں چور ڈیڈی کو اکیلے سنبھالنا اس کے لیے بہت مشکل ہوجاتا تھا۔ بے چارے راشد انکل یہ سمجھتے تھے کہ مما اور ڈیڈی میں صلح انہوں نے کرائی ہے۔ لیلی بھی یہی ظاہر کرتی تھی۔ اس لیے جاتے وقت راشد انکل کا بار بار شکریہ ادا کرتی تھی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ نشہ اترنے کے بعد وہ دونوں آپ ہی آپ نارمل ہوجاتے ہیں۔

راشد انکل کی ذہانت کا قائل ہونے کی وجہ سے ہی کل شام ڈیڈی نے سوچا کہ وہ راشد انکل کو بلا کر ان سے کہیں کہ وہ لیلی کو بحث میں مات دے دیں تاکہ شیام کا نشہ اس کے سر سے اتر جائے۔ بے چارے راشد انکل کیا جانیں لیلی بے شمار ڈراموں میں ایکٹنگ کرچکی ہے۔ اس نے اتنے کھیل کھیلے ہیں کہ بعض وقت آئینے میں اپنی صورت پہچاننا بھی بھول جاتی ہے چنانچہ کل شام بھی اس نے راشد انکل کی ہر بات پر اقرار میں سر ہلایا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ بوڑھوں کو بحث میں کوئی نہیں ہرا سکتا۔ انہوں نے شیام جیسے مخلص انسان کے ساتھ زندگی گزارنے کے جتنے بھیانک نقشے کھینچے، لیلی نے بڑی توجہ سے دیکھے۔ ایک ہندو کے ساتھ شادی کرنے کے جتنے خطروں سے آگاہ کیا، لیلی نے انہیں قبول کرلیا...

انہوں نے کہا۔ "زمانہ بڑا خراب ہے بیٹیا۔ عملی زندگی میں قدم رکھوگی تو سارا رومانس سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوگا، کیوں کہ حقیقت بڑی کڑوی ہوتی ہے۔ تم شیام سے مل سکتی ہو، مگر ایک حد کے اندر... شام ہونے سے پہلے ہمیشہ گھر لوٹ آیا کرو۔"

اس وقت راشد انکل کی باتیں یاد کرکے لیلی کو ہنسی آگئی۔ خبطی بڈھا! یوں سمجھ رہا تھا جیسے میں ننھی سی بچی ہوں۔ اب شیام آئے گا تو اسے کل کی پوری کہانی سناؤں گی۔ وہ بھی بہت ہنسے گا راشد انکل کی نصیحت پر۔ مگر شیام کو

اتنی دیر کیوں ہوگئی ؟ آنے سے پہلے لیلی نے ایک چٹھی لکھ کر مما کی ٹیبل پر رکھ دی تھی کہ وہ آج شیام سے سول میرج کر رہی ہے ۔

اگر مما آج کلب میں بری طرح ہار رہی ہوں تو وہ وقت سے پہلے بھی گھر آسکتی ہیں ۔ چٹھی پڑھنے کے بعد وہ ہر طرف آدمیوں کو دوڑادیں گی ۔ اور پھر سارا پلان اڑا اڑا دھم ہوجائے گا ۔ شیام جلدی سے آ کیوں نہیں جاتا ! اگر مما زبردستی مجھے گھر لے گئیں تو شیام کا کیا ہوگا؟ پھر مما مجھے شیام سے نہیں ملنے دیں گی اور وہ خودکشی کرلے گا ۔ وہ کئی بار کہہ چکا ہے کہ تم مجھے نہیں ملیں تو ٹینک بند سے چھلانگ لگادوں گا ... اور وہ سچ مچ ایسا کرسکتا ہے ۔ بے حد جذباتی ، پاگل آرٹسٹ ہے نا وہ ۔ بات بات پر گھبرانا اور بے بنیاد اندیشوں پر رونا اسے بہت اچھا لگتا ہے ۔ لیلی کو ان باتوں سے چڑ تھی ۔ وہ بار بار شیام سے کہتی تھی کہ میں وہ لیلی نہیں جو دل میں قیس کی یاد چھپائے آنسو بہاتی ایک امیر آدمی کی دلہن بن کر چلی گئی تھی ۔ میں اپنی مرضی کی مختار ہوں اور جو کچھ کروں گی اپنے دل سے کروں گی ۔ میرے سب بہن بھائیوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ۔ میرے بھائی نے یورپ میں بیسیوں عشق لڑائے اور آخر میں ہندوستانی تاجر کی لڑکی سے بیاہ رچایا ۔ مما نے سنا تو بہت خوش ہوئیں کہ اتنی امیر بہو ان کے گھر آئی ہے ۔ پھر آپا نے جب اچانک کشمیر سے فون کیا کہ انہوں نے نواب قیامت علی خان سے شادی کرلی ہے تو مما نے خوش ہوکر ڈیڈی سے کہا تھا ۔ " ارے وہ تو نظام کی رائل فیملی کا ممبر ہے ۔ بہت پراپرٹی ہے ان کے پاس ۔ میری شہلا تو رانی بن کر راج کرے گی ۔ " اور پھر جب آپا اپنے سوکھے مریل دولہے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پلین سے اتریں تو لیلی کو بڑا دکھ ہوا ۔ اتنا سوکھا مریل دولہا تھا ان کا ۔ بالکل اچھور کی گانٹھ ۔ اس نے تو دکھ کے مارے آپا کو مبارک باد بھی نہ دی ۔ کار کی طرف جاتے ہوئے آپا مما کو ہیرے کے بریسلیٹ دکھا رہی تھیں اور مما کی خوشی تھی کہ سارے ایرپورٹ کو

روشن کر رہی تھی۔

آپا کے سوکھے مریل شوہر کا خیال آتے ہی لیلی کے سامنے شیام آ کھڑا ہوا۔ اونچا پورا قد، صحت مند اور ہنس مکھ۔ اسے ہر بات پر ہنسی آتی ہے ..... اور کچھ نہ سوجھتا تو لیلی کی اس زندگی پر ہنسنا شروع کردیتا جو لیلی کو اس سے شادی کرنے کے بعد گزارنا تھی۔ وہ ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ڈیزائین بنایا کرتا ہے۔ سات سو تنخواہ ملتی ہے۔ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتا ہے۔ فرش پر بستر بچھا کر سوجاتا ہے۔ کونے میں اسٹوو رکھ کر دال چاول پکاتا ہے۔ پڑوسی سے مانگ کر اخبار پڑھ لیتا ہے اور پھر بھی بیحد خوش رہتا ہے۔ خوب ہنستا ہے، ہر وقت گنگناتا رہتا ہے۔

سڑک پر شام کے بے پناہ ہجوم میں لیلی شیام کی بس ڈھونڈنے لگی۔ اچانک اسے ایسا لگا جیسے اب وہ شیام کے بغیر ایک منٹ بھی نہ جی سکے گی اور شیام ہے کہ بس اندیشوں کے مارے مراجارہا ہے کہ کہیں مما عین وقت پر رنگ میں بھنگ نہ ڈال دیں۔ غریبی نے اسے بزدل بنادیا ہے۔ جب وہ پہلی بار لیلی کے ساتھ بنجارہ ہلز اس کے گھر آیا تھا تو ہر چیز کو کتنی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا..... لیلی کا خوبصورت گارڈن، شاندار ڈرائنگ روم، ہر کونے پر کھڑا ہوا ایک نوکر۔ ڈرائنگ روم پر رکھے ہوئے فروٹس، جوس، مٹھائیاں، قیمتی کٹلری۔ اور سرخ قالین پر ادھر سے ادھر دوڑتی، اچھلتی، قہقہے لگاتی ہوئی لیلی جو اس گھر کا سب سے قیمتی، سب سے خوب صورت ڈیکوریشن پیس تھی۔ یوں لگتا کہ ڈرائنگ روم میں بکھرے ہوئے تمام رنگوں کے امتزاج سے اس کی ماں نے لیلی کو گڑھا تھا۔ اسی لیے مما بار بار لیلی کو یوں دیکھتی ہے جیسے کوئی بچی اپنی ننھی منی گڑیا کو دیکھتی ہے۔ اور ہر بار انھیں لیلی میں کوئی نہ کوئی کمی نظر آجاتی۔

"پنکی چاند! اس شلوار کے سوٹ کے ساتھ فیروزے کا سیٹ

پہنونا۔"

"ان کپڑوں پر یہ سینڈل سوٹ نہیں کر رہے ہیں، پنکی ڈیر۔"

"سیب کھالو، جوس پی لو، کون سا سالن لوگی؟"

اور لیلی یوں منہ بناتی، جیسے ممی کڑوی دوا پینے کو کہہ رہی ہوں۔۔۔ شیام تو کئی ہفتوں تک سوچتا تھا کہ ایک سیب خریدلوں، فنٹا پی لوں۔ آج بس کی بجائے آٹو رکشا سے گھر چلا جاؤں۔ مگر جیب میں پڑے دو روپے اسے روک لیتے، کیوں کہ روپے بڑے خود سر ہوتے ہیں وہ جیب سے باہر نکلنے کے ہزار بہانے ڈھونڈ نکالتے ہیں اور دو چار روپے زیادہ نکل جائیں تو بس کے پیچھے چل کر گھر جانا پڑتا ہے ۔۔۔ یہ روٹین ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ ایک دن لیلی ان کی کمپنی میں پہنچ گئی۔ اسے ایک ڈرامے کے کرٹین تیار کرانے تھے۔ اور اسے بڑھے ہوئے بالوں والا یہ سیاہ فام ہنس مکھ آرٹسٹ بہت اچھا لگا۔ ان سب لڑکوں سے مختلف، جو بڑے ادب سے جھک کر لیلی کے لیے اپنی کار کا دروازہ کھولتے ہیں، بڑے تکلف کے ساتھ کسی شاندار ہوٹل میں لے جاتے ہیں اور بڑی درندگی کے ساتھ اسے جانوروں کی طرح چباڈالنا چاہتے ہیں۔

ادھر شیام کو جیسے لیلی کے قیامت خیز حسن کی خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو اسے ایک معمولی سی لڑکی سمجھتا تھا اور اس کی یہی ادا لیلی کو بہت اچھی، بہت سچی لگتی تھی۔ بات یہ تھی کہ جب لوگ خوب صورت سجے اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے ہیں تو انہیں جنگل میں پکنک منانا اچھا لگتا ہے۔ قیمتی سامان سے سجے ہوئے خوب صورت کمرے میں ایک کالے بھجنگ مزدور کا اسٹیچو لا کر رکھ دو تو یہ کنٹراسٹ نظروں کو اچھا لگتا ہے نا؟

لیلی نے بھی ایک دن اپنے نوادارت سے سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں شیام کو لاکر بٹھایا تو اسے بڑا اچھا لگا۔ وہ سارے گھر میں خوشی کے مارے یوں اچھلتی پھر رہی تھی جیسے کوئی چھوٹی بچی کھیتوں میں سے بیر بہوٹی اٹھالائی ہو۔

"مما ! مما ! وہ کتنا بڑا آرٹسٹ ہے !اور کیسے سادہ کپڑے پہنے ہوئے ہے ! مما مما ! وہ اتنا غریب ہے کہ بے چارہ دوپہر کو لنچ تک نہیں لے سکتا۔" اور مما اتنے مشہور آرٹسٹ کی اتنی آرٹسٹک غربی پر بہت متاثر ہوئیں۔ میرون کلر کی لپ اسٹک میں رنگے ہوئے ہونٹوں کو نکال کر بڑے دکھ سے بولیں "اوہ ! پور بوائے !"

پھر ان دونوں نے مل کر اس "پور بوائے" کی خوب خاطریں کیں۔ مگر اس کے بعد جب بھی شیام لیلی کے ساتھ بنجارہ ہلز آتا صرف ایک ہی فرمائش کرتا !

"فریج کا ٹھنڈا پانی۔"

مئی کی اس گرم شام میں فریج کا ٹھنڈا پانی لیلی کو بھی یاد آنے لگا۔ شیام کے کمرے میں ایک میلی سی صراحی کھڑکی میں رکھی رہتی ہے۔ شادی کی خوشی میں شاید اس نے وہ صراحی بھی نہ بھری ہو۔ ایک بار فرسٹ شو دیکھنے کے بعد لیلی شیام کے ساتھ اس کے فلیٹ میں گئی تھی تو صراحی خالی اور نل بند تھا... دونوں کو بڑی پیاس لگی تھی۔ اس لیے شیام اپنی پڑوسن سے ایک گلاس پانی مانگ کر لایا، جو ان دونوں نے آدھا آدھا پیا۔ باری باری گھونٹ گھونٹ پانی پینے میں کتنا مزہ آتا ہے ! شیام اس کے اتنا قریب ہو تو ہر چیز اچھی لگتی ہے، ہر شئے خوب صورت ہوجاتی ہے۔ شیام کے گھنے بال کتنے اچھے لگتے ہیں۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں کیسا جادو ہے کہ لیلی کو اس نے اپنے رنگ میں رنگ ڈالا ہے۔

شیام کو دال چاول اچھے لگتے تھے۔ لیلی بھی وہی کھانے لگی۔ کالج کے بعد وہ سارا وقت شیام کے ساتھ گزارتی۔ اس کے بکھرے ہوئے رنگ سمیٹتی، اس کے برش دھوکر رکھ دیتی۔ شیام کے اس چھوٹے سے بے سرد سامان کمرے میں لیلی کو وہ لفظ بے معنی لگتا جس کا نام دولت ہے... مگر اب مما کو

لیلی کا شیام کو گھر لانا اچھا نہ لگتا تھا ۔ بلکہ لیلی نے دیکھا کہ جب شیام چلا جاتا ہے تو مما چپکے چپکے میز پر رکھے ہوئے چمچے گننے لگتی ہیں ۔ اس جگہ کو برش سے جھٹکتی ہیں جہاں شیام بیٹھا تھا ۔

مما اب بار بار اپنے بھانجے اسلم کا ذکر کرتی تھیں جو لندن کے کسی میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں کینسر پر ریسرچ کر رہا تھا ۔۔۔ لندن کی دولت اور اسلم کی خوبصورتی ۔ لندن کی آزادی اور اسلم کی دولت ۔۔۔ مگر لیلی کو یہ باتیں سننے کی فرصت ہی کہاں تھی ۔ اسے تو صرف شیام کی باتیں اچھی لگتی تھیں ۔

شادی کے بعد وہ بھی کسی کالج میں نوکری کرے گی ۔ ان کا ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر ہو گا ، جہاں ہر طرف شیام کے رنگ بکھرے ہوں گے ۔ مما یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ مجھے خوشی صرف شیام دے سکتا ہے ۔

کل شیام نے کہا تھا " لیلی میں کل تمہارے لیے صرف ایک انگوٹھی لاؤں گا اور ایک پھولوں کا ہار ۔ "

صرف ایک ہی ہار ؟ لیلی ہنس پڑی تھی اور پھر شیام کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر بولی تھی ۔ " پھر تو وہ ہار ہم دونوں سے ایسے لپٹ جائے گا ۔ "

اوہ ! مجھے بھی تو شیام کے لیے ایک انگوٹھی خریدنا تھی ۔۔۔ مگر اب بس آتی ہی ہوگی ۔ مجھے یہاں نہ دیکھ کر شیام گھبرا جائے گا ۔۔۔ افوہ ! کتنی پیاس لگ رہی ہے ! کہیں شیام کی صراحی خالی نہ ہو ! ۔۔۔ میں نے ایک غلطی کی ۔ نائیٹی ساتھ نہیں لائی ۔ رات کو جب شیام کے دوست مبارک باد دینے آئیں گے تو کیا میں یہی کپڑے پہنے رہوں گی ؟

شیام کے دوست بھی ایک سے ایک من موجی ہیں ۔ اختر اردو کا ایک مشہور شاعر تھا اور اس نے رات ان دونوں کی شادی پر ایک دلچسپ سہرا سنایا تھا ۔ صادق کویت میں انجینئر تھا اور اس نے اعلان کیا تھا کہ آج وہ ان دونوں کو ایک شاندار ہوٹل میں ڈنر دے گا ۔۔۔ پریشر سنگھ کی اسٹیل کے

برتنوں کی دوکان تھی اور اس نے ان کی شادی پر اسٹیل کی دو تھالیاں پریزنٹ کی تھیں ۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ بجلی کا ہیٹر دے دیتا ۔ کیرِ دسین کی بدبو سے لیلی کے سر میں درد ہوتا تھا ۔ شیام جب اس چولہے پر چائے بناتا ہے تو اس چائے میں بھی کروسین کی بدبو آجاتی ہے جو شیام کو بالکل محسوس نہیں ہوتی ۔ مگر شیام کی اس چائے کے ساتھ اس کے قہقہوں کی چائے بھی ملتی تھی ۔ کسی دن وہ اعلان کرتا کہ آج لیلی کی آمد کے سلسلے میں ایک ایٹ ہوم دیا جارہاہے ۔ اس کے مکان کے نیچے ہی سڑک پر ایک بڑھیا کڑھائی میں گرم گرم بیسن لگی مرچیں بیچتی تھی ۔ ان مرچوں کے ساتھ کھٹائی کی چٹنی بھی ملتی ۔ یہ مرچیں کھانے سے رات بھر مونہہ جلتا ...... مگر بڑا مزہ آتا ۔ وہ جب بھی شیام کے ہاں آتی تو فرمائش کرتی تھی " مرچیں لاؤنا "

لیلی کے ہاں تو مرچ کا کوئی مزہ ہی نہ جانتا تھا ۔ ڈیڈی کو ڈائبٹیس تھی ۔ اس لیے وہ نمک کھاتے نہ شکر ۔ مما کو ہائی بلڈ پریشر رہتا تھا اس لیے وہ نمک مرچ ، چکنائی کچھ نہ کھاتیں ۔ اس پھیکی سیٹھی ، ابلی ہوئی چیزوں والی میز سے لیلی کو نفرت سی ہوگئی تھی ۔ اکیلی وہ کتنی مٹھائی ، کتنے پھل ، کتنی پڈنگ کھاتی ... اور پھر بھی مما کا اصرار کہ کچھ اور ٹھونس لو ۔ لیلی کو گھر کے کھانوں سے متلی ہوتی تھی ۔ فوم والے بستر پر اسے نیند نہ آتی ۔ اس کا جی چاہتا تھا وہ بھی دری بچھا کر شیام کی طرح فرش پر سوجائے ۔

شیام اسے بار بار ڈراتا ۔

" سوچ لو ، لیلی اپنے ہاتھ سے کھانا بنانا پڑے گا ۔ "

" گوشت ہفتے میں ایک دن ہی ملے گا ۔ "

" تم بس میں سفر کرسکوگی ؟ "

" تم مجھے ڈرانا چاہتے ہو ؟ " وہ خفا ہوجاتی تھی ۔ " میں نے جو فیصلہ کرلیا ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا ۔ "

اور اس کے غصے کو دیکھ کر شیام سہم جاتا ۔ لیلی کے ہاتھ تھام کر گرنے سے بچ جاتا ۔

" لیلی اگر میں تمہارے ہاتھ نہ تھام لیتا تو کہاں گرتا ؟ معلوم ہے ؟ "

" کہاں "

" ٹینک بند میں "

" چپ ! " وہ گھبرا کر اس کا مونہہ بند کردیتی ۔

اللہ ... کتنی پیاس لگی ہے ! اگر شیام کی صراحی آج خالی ہوگی ۔

ہاں ، یہ بس شیام ہی کی ہے ۔ مگر ۔ مگر میں اب کیا کروں ؟ شیام کی صراحی جو خالی ہوگی ۔ لیلی نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی رکوائی اور اس سے پہلے کے شیام کی بس اسٹاپ پر رکتی ، لیلی نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا " بنجارہ ہلز ۔ "

...

مشعل جاں

سورج کی طرح گردھر نے کبھی رات نہیں دیکھی۔

وہ ہمیشہ اجالوں میں جیا۔ اور اسے دکھوں کے اندھیرے سے دور رکھنے کے لیے میں اندھیاری میں ڈوب گئی ہوں۔

ایک دن مجھ سے گردھر نے پوچھا تھا۔

"اوشا تمہیں ایکٹنگ کرنا آتی ہے.... ؟"

"بالکل نہیں۔ ایک بار اسکول کے ڈرامے میں رونا تھا تو میں ہنس پڑی تھی"۔

مگر اب میں کتنی اچھی ایکٹریس ہوں۔ ہنسنے کی ایکٹنگ کرتے وقت مجھے رونا نہیں آتا۔ "تمہیں انٹیلکچوئیل عورتیں انسپائر کرتی ہیں نا۔ تم میرا سے ملتیں تو اسے بہت پسند کرتیں۔ (ایک بار انٹیلکچوئیل عورتوں کے ذکر پر گردھر نے مجھ سے کہا تھا)

"اچھا تو پھر تم نے بھی میرا کو پسند کرلیا تھا.... ؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

" ارے نہیں یار " ...... گردھر نے سلگتا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا۔

" وہ سب ہمارے لڑکپن کا پاگل پن تھا۔ "

" کیسی تھی وہ ....؟ " میں نے گھبرا کر بجھے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے کو دیکھا۔ " بس ایسی ہی سانولی سلونی جیسی لڑکیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر تھی بڑی جینئس۔ کالج میں ہمیشہ ٹاپ کیا۔ بڑے کھلے دل سے ملتی تھی تو یار لوگوں نے ہمارے بارے میں جانے کیا باتیں پھیلادیں۔ "

" پھر...... ؟ پھر کیا ہوا ...... ؟ " میں گردھر کے پاس آکر لیٹ گئی۔

" پھر وہ ڈاکٹری پڑھنے چلی گئی اور ہمارے راستے الگ الگ .... " گردھر نے مجھے اپنے پاس کھینچ لیا۔

" ہم بچارے احمق لڑکے ...... جو پکارے اسی کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ " اس نے میرے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

" تو اسی طرف کیوں نہیں دوڑے جدھر میرا بلارہی تھی ؟ "

" کچھ دور چلے تھے۔ " گردھر پرانی یادوں میں کھوگیا۔ " 24 دسمبر کو اس کی سالگرہ کے دن ایکبار ہم بھی میرا کے بھجنوں کا کیسٹ اور سفید گلاب کا بوکے لے کر پہنچ گئے تھے .... " وہ ہنسنے لگا۔ مجھے بھی ہنسی آگئی۔

" پھر...... پھر کیا ہوا ...... ؟ "

" پھر تو نظر آگئی مجھے ...... " گردھر نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اب کیا ساری رات اپنی حماقتوں کی کہانی سنائے جاؤں ...... ؟ " ہم دونوں ہنسنے لگے۔ میں نے جلدی سے گردھر کو اپنے پاس کرلیا۔

میرا اور گردھر... میں نے جانے کتنی بار ٹی۔ وی پر میرا کے بھجن گائے تھے۔ میرو تو گردھر گوپال دوسرو نہ کوئے ....

اس دن خواب میں کتنے اوبڑ کھابڑ راستوں پر چلی جارہی تھی میں۔ کبھی

بادلوں کے ساتھ اڑنے لگتی ۔ کبھی سمندر کی موجیں مجھے اپنی طرف کھینچ لیتی تھیں ۔

بچاؤ ۔۔ بچاؤ ۔۔۔ گردھر ۔۔۔۔۔۔ گیری ۔۔۔۔

میری چیخ سن کر گیری اٹھ بیٹھا ۔

" کتنا پسینہ آرہا ہے تمہیں ۔۔ کہیں میرا ابارشن نہ ہوجائے ۔ "

" مجھے ڈر لگ رہا ہے ۔ جانے کیا خواب دیکھ رہی تھی ۔ "

گردھر اٹھ کر دوا ڈھونڈنے لگا ۔

پچھلی بار بھی پریشر بڑھ جانے سے ابارشن ہوا تھا ۔ لیکن تم دوا نہیں کھاتیں ۔ ڈاکٹر کے پاس تو تم خود جاؤگی نہیں ۔ " کل میں آفس سے چھٹی لے کر ڈاکٹر کے پاس لے جاؤنگا " گیری بہت غصے میں تھا ۔

گردھر مجھے کتنا چاہتا ہے ۔ ہماری شادی کو پانچ برس ہوگئے ۔ مگر اسے ہر وقت میری فکر لگی رہتی ہے ۔ کیا کھایا ۔ کب سوئی ۔ کب اٹھی ۔ موڈ کیسا ہے ۔۔۔ ؟ میں جب کبھی دونوں کی محبت تولنے بیٹھتی تو ہلکی پڑجاتی ۔

میرو تو گردھر گوپال ۔۔۔۔۔

صبح کچن میں چائے بناتے ہوئے میں نے دیکھا ۔ براؤن کلر کی بشرٹ گیری پر کتنی سج رہی تھی ۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے سرکش بالوں کے جھنڈ کو کنگھے سے دبا رہا تھا ۔ اسکے آفس جانے کے بعد میں کتنی اداس ہوجاتی ہوں ۔ جیسے وہ اب برسوں کے بعد لوٹے گا ۔

" چلو ۔ پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں ۔ "

" نہیں تم اپنی میٹنگ میں جاو ۔۔۔ میں چلی جاونگی ۔ "

میں بڑی دیر تک بالکنی میں کھڑی گردھر کی کار کو دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی ۔ پھر کمرے میں آئی تو گردھر کے پیار کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی ۔ خوشبو میرے انگ انگ میں اترنے لگی ۔ خوشی کے مارے اچھلنے لگی ۔

"شرارت مت کرو ننھے گردھر۔" میں نے اپنے پیٹ میں پھڑکنے والی ننھی سی جان کو ڈانٹ دیا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ چکر آرہا ہے۔"

ڈاکٹر نے مجھے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پریشر چیک کیا۔ ای۔ سی۔ جی لیا اور گھبرا کر بولی۔ "آپ کو ایک کارڈیالوجسٹ کے پاس جانا ہوگا۔ میں آپ کو ایک لیٹر دے رہی ہوں۔"

"کیا ہوا ہے مجھے ڈاکٹر........؟" میں گھبرا گئی۔

"پریشر بڑھنے سے آپکی اور بچے کی دل کی دھڑکن ریگولر نہیں ہے۔"

کارڈیالوجسٹ نے میرے کاندھے پر بڑے پیار سے ہاتھ رکھا۔

"آپ بالکل مت گھبرایئے۔ آپکو اور بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں جو ہوں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔

"آپ کے ہونے سے ..... !" میں نے پہلی بار کارڈیالوجسٹ کی طرف دیکھا۔ دبلی پتلی سانولی سی۔ اس کے لمبے چہرے پر بڑی بڑی روشن آنکھیں فانوس کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ سر پر بکھرے بکھرے گھنے بالوں کی ٹوکری سی رکھی تھی۔ وہ میرے اوپر جھکی تو جانے کسی انوکھی خوشبو میں گھر گئی میں۔ مجھے ایسا لگا میرے پیٹ میں چھپا بچہ بھی ڈاکٹر کے ہاتھ لگاتے ہی پرسکون ہوگیا ہے۔

"اتنا پریشر کیسے بڑھالیا آپ نے .... کیا کوئی گھر کا پرابلم ہے؟" وہ میری ای۔ سی۔ جی کی رپورٹ دیکھ رہی تھی۔

"نہیں نہیں۔ کوئی پرابلم نہیں ہے ڈاکٹر..." میں اسکی ایکسرے مشین جیسی آنکھوں سے گھبرا گئی۔

"میرا ہزبینڈ بہت اچھا ہے۔ مجھے بہت چاہتا ہے۔" میں نے بے اختیار ہوکر جیسے گیری کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

" ٹھیک ہے ۔ ٹھیک ہے ...." ڈاکٹر نے اپنے خوبصورت ہاتھ کو میرے سینے پر رکھ کر جیسے گیری کی محبت پر یقین کرلیا۔

" اگر یہاں کوئی ہے ۔" اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ " تو پھر عورت کے لیے کوئی دکھ خطرناک نہیں ہوسکتا۔"

شام کو گیری نے میری رپورٹ دیکھی تو بہت گھبرایا۔ کسی اور کارڈیالوجسٹ کو بھی دکھانے کی بات کی۔

" میں کسی اور ڈاکٹر کے پاس نہیں جاونگی۔ وہ ڈاکٹر بہت اچھی ہے۔ اتنی محبت سے بات کرتی ہے۔"

" تو اس کی محبت لے کر کیا کرنا ہے مجھے۔ پتہ نہیں ڈاکٹر کیسی ہے ؟"

گیری بہت گھبرایا ہوا تھا۔

" ڈاکٹروں کی محبت پر اعتبار کیوں نہیں اسے ۔" میں نے کڑوی گولی نگلتے میں سوچا۔ ایک ہفتے بعد میں آوٹ پیشنٹ روم میں بیٹھی اپنی باری کا انتظار کررہی تھی تو میں نے پہلی بار اس ڈاکٹر کی نیم پلیٹ دیکھی .... ڈاکٹر میرا سنہا۔ کارڈیالوجسٹ۔ میرا ..... میرا ...... میرا ..... ؟

اس دن جب ڈاکٹر نے ہاتھ پکڑ کر مجھے ٹیبل سے اٹھایا تو ایسا لگا جیسے میں نے وہاں اپنی کوئی چیز چھوڑدی ہے۔ ادھوری سی لگ رہی تھی میں۔

ایک ہفتے تک جانے کتنے اندیشے ، وہم مجھے گھیرے رہے۔

" آپ کا نام میرا ہے ؟ پہلی بار آپکی یہاں پوسٹنگ ہوئی ہے ؟" اس دن میں نے کمرے میں جاتے ہی سوالوں کی بوچھار کرڈالی۔

" جی ... میں دہلی میں تھی۔ تین برس اسٹیٹس میں رہی۔" اس نے میری رپورٹ دیکھی۔ " آپ تو بڑی جلدی نارمل ہوگئی ہیں۔"

" کیا آپ نے دہلی یونیورسٹی میں پڑھا ہے .... ؟" میں اب ابنارمل

ہورہی تھی۔

"ہاں۔ میں نے وہاں سے بی ایس سی کیا تھا۔ پھر مجھے میڈیسن میں ایڈمیشن مل گیا۔ کیوں ..... آپ نے بھی وہاں سے پڑھا ہے کیا؟"

"نہیں ...." میں نے ہانپتے ہوئے کہا ... "بس یوں ہی پوچھ لیا۔"

میرے دل کی دھڑکن پھر بے ترتیب ہورہی تھی۔

"اچھا .... تو آپ اور آپکے ہزبینڈ دونوں ڈاکٹر ہیں ... ؟" میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"نو .... نو ..." ڈاکٹر نے میرے مسلسل سوالوں سے چڑکر اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ "آئی ایم ان میریڈ۔"

"اچھا .....!" میرے اوپر تو جیسے کوئی پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

"میں اب اس ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤنگی۔ مجھے کسی اور ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔" میں نے گردھر کو اپنا فیصلہ سنادیا۔

"مگر وہ تو بہت اچھی ڈاکٹر ہے۔ آٹھ دن میں اچھا کردیا تمہیں۔"

"اچھا ... تمہیں کیسے معلوم ... ؟" چھری جیسے میرے ہاتھ سے گر کر میرے دل پر جالگی۔ تو اسی لیے یہ شریمان آجکل اتنے خوش نظر آتے ہیں۔ میرے ساتھ محبت کی ایکٹنگ کرتے ہیں۔ میرا اس شہر میں آگئی ہے۔ دونوں چھپ چھپ کر ملتے ہونگے۔ اسی لیے روز ایک بہانہ کرتے ہیں۔ "آج ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ رات کو کھانے پر میرا انتظار مت کرنا ...." اگر میں علاج کے بہانے میرا کے کلینک نہیں گئی تو کسی بات کا پتہ نہیں چلے گا۔ یہ بتائے بغیر کہ میں کون ہوں مجھے میرا سے دوستی بڑھانا پڑے گی۔ پتہ تو چلے میرا گردھر گوپال کتنی گوپیوں کے ساتھ راس رچاتا ہے!

"آج تمہیں نیند کیوں نہیں آرہی ہے ... ؟ آنکھیں بند کرو .... سوجاؤ ....." گیری مجھے تھپکیاں دے رہاتھا۔ میں دکھ کے مارے کانپ رہی

تھی ۔

ہاں ۔ مجھے سلادو ۔ میری آنکھیں بند کردو ۔ یہی تو چاہتے ہو نا تم ۔۔ ؟

" حیدرآباد میں آپ کا جی لگا یا نہیں ۔ ؟ " ایک دن چیک اپ کے بعد میں نے میرا سے پوچھا ۔

" بہت اچھا ہے آپ کا شہر " وہ ہنسنے لگی ۔ " کوئی کام کرنے والی عورت نہیں ملتی ۔ میرا کوئی دوست ، رشتے دار بھی یہاں نہیں ہے ۔ "

" میں جو ہوں ۔ آج سے آپ مجھے اپنا دوست بنالیجیے ۔ کیا پتہ کبھی کوئی رشتے داری بھی نکل آئے ۔ "

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا ۔

" تھینکیو ویری مچ ۔۔ " اس نے رسمی طور پر میرا ہاتھ چھوکر چھوڑدیا ۔ جیسے میرے ہاتھ میں لپٹی ہوئی نفرت نے اسے ڈس لیا ہو ۔

" یہاں سے گھر جانے کے بعد کچھ ریسرچ کا کام کرتی ہوں ۔ مجھے فرصت نہیں ملتی ۔ اس لیے کسی سے دوستی نہیں کرتی ۔۔۔۔ کیا نام ہے آپ کا ۔۔۔ ؟ بچے پیدا کرنے کے سوا اور کیا کام کرتی ہیں آپ ۔۔۔ ؟ " اس نے مسکرا کے پوچھا ۔

" میں اوشا گوپال ہوں ۔ کلاسیکی سنگیت کی سنگر ہوں ۔ شاید آپ نے کبھی ٹی ۔ وی یا ریڈیو پر میرا گانا سنا ہو ۔ میں آپ ہی کے گن گاتی ہوں ۔ میرا کے بھجن ۔ "

" اوہو ۔۔۔۔۔ آپ تو بڑی کلا کار ہیں ۔۔۔ " اس بار اس نے اٹھکر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا ۔ " کلاسیکل سنگیت تو مجھے بھی بہت پسند ہے ۔ کبھی سنونگی آپ کا گانا ۔ "

" کہاں رہتی ہیں آپ ۔۔۔ ؟ " اب میں اس کا ہاتھ تھام کر کچھ اور قریب

آگئی۔

"مجھے اپنا فون نمبر دیجیے۔ میں آپ کے لیے بہت اچھا کھانا بنانے والی عورت لادونگی۔"

"اوہ تھینک یو سوچ۔ ویسے میں بہت سادہ کھانا کھاتی ہوں۔ زیادہ نمک مرچ کچھ نہیں۔" اس نے میری باتوں سے بور ہو کر ایک فائیل کھول لی۔

"مگر اب تو اپنی زندگی میں بہت سے مزے گھول رہی ہو میرا سنہا۔"

میں نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔ اب کل اپنی نوکرانی رما کی بہن پچھمی کو اس کے گھر لے جاؤنگی تاکہ وہاں کی ساری خبریں مجھے ملتی رہیں۔

"کبھی میں نے بھی سوچا تھا سنگیت سیکھونگی۔ کچھ دن کلاس میں جاتی رہی۔"

"پھر......؟ پھر کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ بس کچھ گڑبڑ ہوجاتی ہے نا۔ جدھر جانا ہو نہیں جاتے ......"

اس نے فائیل بند کر کے دور پٹک دی۔

سسٹر بار بار پردہ اٹھا کر دیکھ رہی تھی کہ میں کب باہر جاؤں اور وہ نئے پیشنٹ کو اندر بھیجے۔

ڈاکٹر میرا کا فلیٹ بہت اداس تھا۔ سنسان۔ بے ترتیب۔ مٹی دھول میں بھرا ہوا۔ ہر چیز چپ چپ سی تھی۔ ٹی۔ وی پر اتنی دھول جیسے بہت دنوں سے نہ کھولا گیا ہو۔ دروازے کھڑکیاں بند۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس کے ممی ڈیڈی کے فوٹوز بھی چپ تھے۔ کیلنڈر پر بیٹھی رنگین چڑیا بھی اپنی آواز روکے ہوئے تھی۔ ایک کونے میں سیاہ غلاف میں لپٹا ہوا ستار رکھا تھا۔ جانے کتنے بہلاوے، الاپ، تانیں، پلٹے اس میں بند تھے۔ ہر طرف کتابیں، نیوز پیپر بکھرے پڑے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر، فرش پر، کچن میں۔ تو انسانی جسم کی

ایڈوانس اسٹڈی میں جٹی ہوئی ہے ڈاکٹر ! اب وہ گردھر کے تو پرخچے اڑا دے گی ۔ اسی لیے مسٹر گردھر گوپال اتنے تھکے تھکے ، ماتھے سے پسینہ پوچھتے ہوئے کار سے اترتے ہیں آج کل ۔

" کیسے رہتی ہو اس کمرے میں اکیلی ۔ آؤ تمہارے بیڈروم میں آرام سے بیٹھیں گے ۔ آج میں تمہیں ایک بھجن سناؤنگی ۔ "

میں اسکے بیڈروم میں کچھ ڈھونڈنے گئی تھی ۔ پلنگ پر دوسرا تکیہ ۔ گردھر کے جلائے ہوئے سگریٹ والا ایش ٹرے ۔ چائے کا دوسرا خالی کپ ۔

مگر اس کا بستر اتنا صاف تھا جیسے وہ خود بھی اس پر کبھی نہ لیٹی ہو ۔ وہ کچن میں سے ڈھونڈ کر کچھ بسکٹ لائی ۔ سیب اور کیلے ۔

" کیا کھانے کی بجائے ان سے کام چل سکتا ہے تمہارا ..... ؟ "

اس نے پلیٹ میرے سامنے رکھدی ۔

" تم ان سے روز کام چلاتی ہو تو ایک دن میں بھی کوشش کرونگی ۔ " ہم دونوں ہنسنے لگے ۔

" مجھے بھی مزے مزے کے کھانے بنانا آتے ہیں ۔ مگر اپنے لیے کون بنائے یار ۔ " وہ پیر ہلانے لگی ۔

" تو کسی اور کے لیے کیوں نہیں بنالیتیں ؟ " میں اس کے پاس جا بیٹھی ۔

وہ گھبرا گئی ۔ کچھ سنبھل گئی ۔ جیسے اس کے بدن سے اٹھنے والی خوشبو میں پہچان نہ پاؤں ۔

" کسی اور کے لیے .. ؟ ہاں ۔ ایسا ہی ہوتا ہے نا ۔ " وہ جیسے اداس سی ہو گئی ۔ چھت کی طرف دیکھنے لگی ۔ اسکی آنکھیں بہت بڑی تھیں ۔ جیسے وہ ہر طرف دیکھ سکتی ہوں ۔

میں اس کے گھر میں گھڑی کے پنڈولم کی طرح دھڑک رہی تھی ۔ شام

ہو گئی ہے ۔ ہر کال بیل پر اچھل پڑتی کہ اب گیری اندر آئے گا ۔ فون کی ہر آواز پر سوچتی کہ یہ گیری کا فون ہے ...... "کس کا فون تھا .... ؟ " جب میرا نے فون اٹھایا تو میں نے بے تابی سے پوچھا ۔ میری گھبراہٹ کو دیکھ کر میرا ہنس پڑی ۔

" اوشا روانی ۔ میرے اور اس کے بیچ ایسا کوئی نمبر نہیں رہا جو ڈائیل کیا جاسکے ۔ اس لیے تم اطمینان سے بیٹھی رہو ۔ " میرا نے یہ بات مذاق میں کہی مگر مجھے بڑا سکون مل گیا ۔

میں پھر اس کے پاس سرک آئی اور ٹیبل پر تال دیکر گنگنانے لگی ۔

" میرو تو گردھر گوپال دوسرو نہ کوئے ...... "

" نہیں نہیں .... " وہ اچھل پڑی ۔ گھبرا گئی ۔ پھر سنبھل کر بولی ۔

" یہ کیا پرانے گیت لے بیٹھیں ۔ کچھ اور گاؤ یار ۔ تمہاری آواز بہت اچھی ہے ۔ "

وہ اپنی گھبراہٹ پر شرمندہ سی ہو گئی تھی ۔

" اچھا ... شکریہ ۔ میری اور کون کون سی چیزیں تمہیں اچھی لگتی ہیں ڈاکٹر سنہا .. ؟ " میں نے ہنس کر پوچھا ۔

" تم مجھے پسند آگئی ہو ۔ " وہ بڑے پیار سے بولی ۔ " ایسا بہت کم ہوا ہے کہ میں کسی کو اتنی جلدی دوست بنالوں ۔ " ہم دونوں ہنسنے لگے ۔

" تم میرے پاس رہو ۔ میرے قاتل ، میرے دلدار ، میرے ساتھ رہو ۔ "

وہ سر جھکائے میرا گانا سن رہی تھی ۔ گاتے گاتے میں نے سر اٹھایا ... میرا کے ممی ، ڈیڈی ، کیلنڈر پر بیٹھی چڑیا ، گم صم ستار اور آنکھیں بند کیے بے سدھ سی میرا ، سب جیسے میرا گانا سننے میں گم تھے ۔

میرے قاتل .... میرے دلدار .....

نظم ختم ہو گئی ۔ میرا پھر بھی چپ چاپ بیٹھی رہی ۔ فضا اتنی گھمبیر سی

ہو گئی تھی کہ کچھ بولنے کی ہمت نہ رہی مجھ میں ۔

" گاتی رہو اوشا رانی ۔۔ " اس نے آہستہ سے کہا ۔

" آج تمہاری آواز نے میرے چاروں اور اجالا سا بکھیر دیا ۔ کوئی غزل سناو یار ۔ مجھے غزل بہت اچھی لگتی ہے ۔ جانے شاعر غزل کیسے لکھتے ہوں گے کسی کے بارے میں ۔ وہ گنگنانے لگی ۔

" بس یہ سب شاعری ہے ۔ " میں ہنسنے لگی

" یہ شاعر لوگ جس عورت سے عشق کا ڈھونگ رچاتے ہیں نا ۔ اگر وہ سامنے آجائے تو پہچان بھی نہ سکیں ۔ " میں چاہتی تھی اب وہ اسی موضوع کی طرف آجائے ۔

" ہاں ۔۔۔۔ " اس نے ایک کتاب کے ورق پلٹتے ہوئے کہا ۔

" بہت سے رنگ وقت کی دھار میں بہہ جاتے ہیں ۔۔۔ ایک سال ہوا ۔۔۔ میں کسی کام سے دلی گئی تھی ۔ بہت جی چاہا ۔ یونیورسٹی جاکر دیکھوں ۔ جانے ہر چیز کتنی بدل گئی ہوگی ۔ مگر کچھ بھی نہ بدلا ۔ ہر چیز ویسی ہی تھی جیسی وہ ہے ؟

" میں تمہاری اس بات کو نہیں مانتی ۔۔۔۔۔۔ " میں بحث کرنے پر تیار تھی ۔

" چیزیں تو ہمیشہ ویسی ہی رہتی ہیں ۔ تمہارے اندر کے موسم انہیں رنگ ڈالتے ہیں ۔ " میں نے اسکے ہاتھ سے کتاب چھین کر دور پھینک دی ۔ پھر شاید کبھی ایسی باتیں کرنے کا مجھے موقعہ نہ ملے ۔

" یہ سب میرا کے گیتوں میں ہوتا ہے اوشا رانی ۔ فیض کی شاعری میں ۔ ورنہ کوئی کسی کو یاد رکھتا ہے اور نہ جی کو روگ لگا تا ہے ۔ "

" ارے ۔۔۔ ! تم نے تو سارے عاشقوں کا پوسٹ مارٹم کرڈالا ۔۔۔ ؟ "

" کرچکی ہوں ۔۔۔۔ " اس نے چھت کی طرف دیکھ کر جیسے اپنے آپ

سے باتیں شروع کردیں۔ " وہ مجبور تھا ..... مجھ سے دور چلاجاتا .. کسی بھی لڑکی سے شادی کرلیتا۔ مگر مجھے کچھ تو دے سکتا تھا۔ کم سے کم یہ احساس کہ وہ مجھے بھول نہ سکا۔ "

میرا کی بات سن کر میں بھی جیسے دکھ میں ڈوب گئی۔

" کیا اتنا اچھا تھا ہو ..... یاد رکھنے کے قابل ..... ؟ "

میں نے یہ بات میرا سے نہیں کہی، مگر اس نے سن لی۔

" میں ہر ہر پل بوڑھی ہوتی جارہی ہوں۔ مگر میری یادوں پر نکھار سا آرہا ہے۔ میں نے اسے بڑے خوبصورت سے روپ دیئے ہیں۔ اسے یاد رکھنے کے لیے کوئی بہانہ بھی تو چاہیے "۔

میرا کی آواز میرے اوپر گرم قطروں کی طرح گررہی تھی۔

" اب تم گھر جاؤ اوشا ..... تمہارے پتی تمہارا انتظار کررہے ہوں گے۔ " اس نے اپنے آپ کو سمیٹ کر کہا۔

" آج میں نے تم سے جانے کیا کیا کہدیا۔ آج میں نے بہت دنوں کے بعد اپنی آواز سنی ہے۔ "

" اس کمرے میں اکیلی بیٹھی دیواریں تکتے جاوگی تو یہی حال ہوگا۔ "

" ہاں یہی حال ہوگا ...... دریا اپنوں سے کٹ کر ریت بن جاتا ہے نا ..... "

اس نے انسانی بدن کے اسرار و رموز والی کتاب بند کرکے سینے پر رکھ لی۔

" انسان کے بدن کے سارے بھید ان کتابوں میں نہیں ملیں گے میرا۔ " میں نے کتاب اسکے ہاتھ سے چھین کر دور رکھ دی۔

" تو ابھی اتنی سی بچی ہے۔ جانے کس پاگل نے تجھ سے بیاہ کرلیا ہے۔ " وہ ہنسنے لگی۔

کسی دن ملونا اس پاگل سے ۔ خود بھی پاگل ہوجاوگی ۔ (میں خود بھی اس بات سے ڈر گئی)

اس دن ٹی ۔ وی پر میرا پروگرام ختم ہوا تو فون کی بیل پر گردھر نے پوچھا ۔ " ہیلو ...... ؟ " اور پھر مجھ سے کہا " تمہارے لیے فون ہے ..... "

" ہیلو ...... " یہ میرا کی آواز تھی ۔ میں نے گھبرا کر گردھر کو دیکھا ۔ میرا کو میرا پروگرام بہت اچھا لگا تھا ۔

" اچھا ...... ؟ آج تم نے ٹی ۔ وی آن کیا تھا ۔۔ ؟ "

" ہاں دل گھبرا رہا تھا ۔ ٹی ۔ وی کھولا تو تم گا رہی تھیں ۔ "

" اچھا اب گانا سننے کا موڈ آگیا ہے تو کل رویندر بھارتی تھیٹر چلو ۔ کشوری امول کر کا گانا سنیں گے ۔ "

" نہیں ۔ تم اپنے پتی کے ساتھ جاؤ ۔ کلاسیکل سنگیت میں کسی محفل میں بیٹھ کر نہیں سن سکتی ۔ "

" کیوں ..... ؟ " میں نے تعجب سے پوچھا (یہ عورت ہر طرف سے اپنے آپ کو بند کیے بیٹھی ہے) ۔

" بس ..... یوں ہی کچھ راگ مجھے رلادیتے ہیں ۔ کچھ سلادیتے ہیں ۔ کبھی سلگادیتے ہیں مجھے ۔ بے سدھ سی ہوجاتی ہوں ۔ تم کہوگی پاگل ہوجاتی ہوں ۔ " وہ ہنسنے لگی ۔

" پاگل تو تم اپنے خاموش فلیٹ میں بھی لگتی ہو ۔ ہر آواز پر پہرے بٹھادیئے ہیں تم نے اپنے گھر میں ۔ "

" نہیں اوشا ۔ میں نے کسی کو چپ نہیں کرایا ہے یار ۔ وہ سب میرے ساتھ رہتے رہتے خود ہی چپ ہوگئے ہیں ۔ "

" کبھی اپنے ستار کو چھیڑ کر تو دیکھو ۔ وہ تمہیں جھنجھوڑ ڈالے گا ۔ تمہیں باتیں کرنے پر، سننے پر مجبور کردے گا ۔ اپنی کتابوں کو بند کرکے کھڑکی سے

باہر کیوں نہیں دیکھتیں ......؟"

میں میرا سے باتیں کر رہی تھی تو گردھر نے نیوز پیپر پڑھنا چھوڑ دیا۔ بڑے غور سے ہماری باتیں سن رہا تھا۔

تم ایک دن میرے گھر آونا۔ ہم دونوں مل کر بہت شور مچاتے ہیں۔ ہمارا ٹیپ ریکارڈر، ٹی۔ وی، فون، سب گیری کے ساتھ چلاتے ہیں۔"

"نہیں۔ مجھے سہیلیوں کے پتی سے ملنا اچھا نہیں لگتا۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"مگر مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے اپنی دوستوں کے ان سے ملنا۔ کچھ اتا پتہ دو نا۔ کہاں ڈھونڈوں انھیں ......؟"

میں میرا کے جواب کی یوں منتظر تھی جیسے اپنی موت کا حکم سننے والی ہوں۔

"وہ کہیں نہیں گیا۔ ہر وقت میرے سامنے ہے۔ شاید کبھی میں درد کی ایک کسک بن کر اسے یاد آجاؤں۔"

پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"اوشا! کیا وہ مجھے ایک خوبصورت خواب کی طرح بھی یاد نہ رکھ سکا؟ کبھی میں سوچتی ہوں میں نے جانے کیوں اپنے آپ کو اتنے دھاگوں میں لپیٹ لیا ہے۔ اور اب مرد کیا ہے، یہ کتابوں میں کھوج رہی ہوں۔"

میں گھر آئی تو گیری بالکنی میں ٹہل رہا تھا۔

"کہاں گئی تھیں تم .... اتنی دیر کیوں لگادی ...؟"

"اتنی دیر ....؟ تم مجھ سے دو گھنٹے کے لیے بھی دور نہیں رہ سکتے!"

(تم نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ میرا کو نہیں دیا ہے)

مگر میں تو آج اپنا سب کچھ لٹا آئی تھی۔ دکھ کے مارے پیٹ میں چھپا منا پھڑکنے لگا تھا۔ کیسا عجیب سا دکھ تھا میرا۔ میرے پتی نے اپنی زندگی کا

ایک پل بھی میرا کو نہیں دیا۔ اس لڑکی کو، جو گردھر کی آواز سننے کے لیے ہر آواز کو چپ کرائے بیٹھی تھی۔

جس نے اپنی زندگی کا ہر رنگ دھوڈالا تھا۔

میں بھی اس مرد پر کیا بھروسہ کروں؟ میں اپنے بچے کو لیکر کہیں دور چلی جاونگی۔ میں اس گھر میں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی، جس پر کسی اور عورت کا حق ہو۔ میرے پیٹ میں سونے والا بچہ جاگ اٹھا۔

وہ میری گود میں آکر لیٹ گیا۔ اس نے میرے آنسو پونچھ دیئے۔ مجھے تھپکیاں دیکر سلانے لگا۔ "ممی۔ تم پاگل ہوگئی ہو کیا......؟ اگر ڈیڈی کی جیب میں میرا کا فوٹو ملتا۔ اگر ڈیڈی 24 دسمبر کو میرا کے لیے تحفے خرید کرلے جاتے۔ تو کیا تم ہنستیں؟یا روتیں؟" میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کھلے ہوے بال سمیٹ کر میں نے اپنے بچے کو گلے سے لگالیا.... یوں جیسے وہ گردھر ہو... گردھر، جو سر سے پاؤں تک میرا تھا۔ صرف میرا.... اس رات مجھے گردھر پر بہت پیار آرہاتھا۔ صبح میں نے اسے بہت میٹھی پوریاں بنا کر کھلائیں اور آفس جاتے وقت یوں لپٹ گئی جیسے شادی کے بعد والے دن آگئے ہوں۔

"ارے اتنا پیار کر کے مت یاد دلاؤ یار۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آج تمھاری برتھ ڈے ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔

"تمھارے سب دوستوں کو فون کرکے بتادیا ہے کہ شام کو چائینیز ہوٹل آجائیں۔"

"اچھا..... ! صرف میری برتھ ڈے یاد ہے تمہیں.... !" مجھے جانے کیوں غصہ آگیا۔

"تو اور کس کی برتھ ڈے یاد رکھیں.....؟" گردھر آئینے کے سامنے کھڑا اپنے آپ کو پسند کر رہا تھا۔

"اس لڑکی کی برتھ ڈے، جس کے لیے تم میرا کے بھجن کا کیسٹ اور

پھولوں کا بوکے لے جایا کرتے تھے ۔"

"لے جایا کرتے تھے نہیں صرف ایک بار لے گئے تھے ۔ یار تم بیوی لوگ بڑے شکی ہوتے ہو۔ ذرا سی بات میں نے سنادی تو بس دل میں چھپائے بیٹھی ہو۔" گردھر میرے پاس آ بیٹھا۔

"ذرا سی بات ...... ؟ یہ ذرا سی بات ہے ...... ؟ تم کیا جانو گردھر ! لڑکیاں ایسے تحفوں کو کتنے رنگوں میں رنگ ڈالتی ہیں ۔"

"لیکن میرا بڑی سوبر لڑکی تھی ۔ ہم صرف اچھے دوست تھے ۔ اس نے بھی مجھے ایک پین دیا تھا ۔ فوٹو البم ۔ اور نہ جانے کیا الم غلم کتابیں ۔ کالج میں ایسی باتیں چلتی رہتی ہیں ۔"

فوٹو البم ...... تو اس میں اس نے اپنا فوٹو کیوں نہیں لگایا ..... ؟ اسی لیے کہتی ہے کہ میرے اور اس کے بیچ ایسا کوئی نمبر نہیں ہے جو ڈائیل کیا جائے ۔ مگر میں اس کنکشن کو جوڑ دونگی ۔"

24 دسمبر کو میں نے کئی کیسٹس خریدے جن میں مختلف فن کاروں نے میرا کے بھجن گائے تھے ۔ سفید گلاب کا بوکے لیا اور گردھر کو آفس فون کرکے بتادیا کہ ایک سہیلی کی برتھ ڈے میں جارہی ہوں ۔

میرا ٹیبل پر انسانی ڈھانچے کا اسکیل پھیلائے ناپ تول میں جٹی ہوئی تھی ۔

"یہ سب فضول کام ہیں ...... " میں نے اس کے پیپر ایک طرف سرکا کے سفید گلاب اور بوکے اسکے سامنے رکھدیا ۔

"اب تم اس بات کو مان لو ڈاکٹر میرا سنہا کہ تم انسان کے دل دماغ کا کوئی بھید نہیں جانتیں ۔"

"بات کیا ہے ؟ ان پھولوں کے ساتھ کہاں سے آرہی ہو ..... ؟ " اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا ۔

میں گھبرا رہی تھی کہ غصے اور رونے کی ایکٹنگ کیسے کرونگی آج ۔ مگر جانے کیوں میرا کو اتنا خوش دیکھ کر میں سچ مچ رو پڑی ۔ دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر چلانے لگی ......

" میں تمہیں خوش نظر آرہی ہوں ...... ! تم کیا جانو ایک لڑکی نے میرا کیا کیا چھین لیا ہے ۔ میرا پتی کتنے حصوں میں بٹا ہوا ہے ۔ "

" اوشا .... اوشا .... یہ آج تم کیا کہہ رہی ہو ؟ "

میں گھبرائی جارہی تھی ۔

وہ جلدی سے فریج کھول کر ٹھنڈا پانی لائی ۔ میرے بال ٹھیک کیے ۔

" ایسی حالت میں تمہیں رونا نہیں چاہیے ۔ "

" کب تک نہ روؤں ...... " میں نے بڑی محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے ۔

" میری شادی کو چار برس ہوگئے ہیں ۔ ہر سال 24 دسمبر کو میرے پتی گردھر گوپال میرا کے بھجنوں والے کیسٹس لاتے ہیں ۔ سفید گلابوں کا بوکے بھی لاتے ہیں ۔ اور پھر سارا دن ان پھولوں کو سامنے رکھے گم سم سے بیٹھے رہتے ہیں ۔ "

" 24 دسمبر کو .... ؟ وہ چونک پڑی ..... " تمہارے پتی کا نام گردھر گوپال ہے ... ؟ "

" ہاں ..... کیا تم انہیں جانتی ہو ..... ؟ "

اب وہ خود پانی پینے فریج کی طرف دوڑی ۔

" نہیں ۔ میں اب کسی گردھر گوپال کو نہیں جانتی ۔ مگر تم کیوں رو رہی ہو ..... ؟ "

" کیسے نہ روؤں ؟ گردھر ایک لڑکی کی یاد دل میں چھپائے بیٹھا ہے ۔ وہ ہر سال اس کے لیے پھولوں کے دیے جلاتا ہے ۔ دیکھو .... یہ پھول ..... یہ

کیسٹس ...... میرا ... تم مرد کے بدن پر ریسرچ کررہی ہو ۔ مجھے بتاو مرد کو کہاں اتر کر پاوگی ... ؟

" سب بیکار ہے .... " میرا نے سر جھکا کر کتاب بند کردی ۔

" تو پھر تم گردھر کے بارے میں کیا کھوگی ...... ؟ "

میرا کسی گہری سوچ میں دور چلی گئی تھی ۔ اس نے میری بات بھی نہیں سنی ۔ اس نے بے اختیار پھولوں کے بوکے کو اٹھالیا اور پھر جیسے کانٹوں کو چھولیا ۔

" تم یہ پھول یہاں کیوں لائی ہو .... ؟ "

" تمہیں دکھانے ۔ تم سے کہنے ۔ ورنہ شاید تم یقین نہ کرتیں کہ میرا پتی ایک برس تک ان پھولوں کو اپنے دل میں کھلائے رکھتا ہے ۔ "

اس نے پھول میز پر رکھدیئے اور پلنگ پر جیسے کھل کر بکھر گئی ۔ تکیے کو باہوں میں سمیٹ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں ۔

پندرہ دن بعد میں آپریشن تھیٹر میں تھی ۔

سفید کوٹ پہنے میرا آپریشن تھیٹر میں مصروف تھی تو میں نے دیکھا اسکے سفید کوٹ کے نیچے گلابی ساری چمک رہی تھی ۔ مجھے ایسا لگا وہ پھر رنگوں میں ڈوب گئی ہے ۔ مگر بہت گھبرائی ہوی سی ۔ وہ مجھ سے نگاہیں چرارہی تھی ۔

" کیا بات ہے ... ؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے نا ..... ؟ " میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا ۔

میرے پاس آکر اس نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا ۔

سب ٹھیک ہوجائے گا ۔ تم گھبراؤ مت ۔ شاید آج مجھے ٹرانسفر آرڈرس مل جائیں گے ۔ "

" ٹرانسفر ...... ؟ "

" ہاں ، میں بنے اپلائی کیا تھا کہ میرا ٹرانسفر دہلی میڈیکل ریسرچ سنٹر پر

کردیا جائے ۔"

"مگر کیوں ...... ؟ میرے ڈلیوری کیس کا کیا ہوگا ...... ؟"

"تمہارا کیس .... یہ تو میرے لیے ایک چیلنج ہے ۔ بات یہ ہے کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔ میں ممی کے پاس جانا چاہتی ہوں ۔"

سیزیرین آپریشن سے پہلے میرا اسکرین پر میرے دل کی حرکت دیکھ رہی تھی کہ چکرا کے گرپڑی ...... اور خاموش ہوگئی ....

شاید اس نے میرے دل میں چھپا وہ راز دیکھ لیا تھا ......

•••

گڑیا کا گھر

بادل دھیرے دھیرے بڑھتے آرہے تھے ۔ دل میں گھس آنے والے یقین کی طرح شام کی بھیگی بھیگی ہوائیں بشارت دے رہی تھیں کہ اب مینہ برسنے والا ہے ۔ دہلی میں جون کی اس تپتی ہوئی شام کو کوئی یقین نہیں کرسکتا کہ اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس میں ایسے کالے بادل چھائے ہوں گے اور فضا میں ایسی خنکی ہوگی جو آدمی کو آپ ہی آپ کپکپادیتی ہے ۔

میں بس اسٹاپ پر تنہا کھڑا تھا ۔

مگر بالکل تنہا بھی نہیں ۔ میرے آس پاس گھروں کو واپس جانے والے لڑکے لڑکیاں اور کالج کے ٹیچروں کا ہجوم تھا ، جو بسوں کا انتظار کررہے تھے ، کچھ لڑکیاں انتظار سے بور ہوکر فٹ پاتھ کے پتھروں پر جا بیٹھی تھیں ۔ لڑکے بھی کسی نہ کسی بہانے اسی طرف ڈھل گئے تھے اور لڑکیوں کے ہاتھوں سے کتابیں اور میگزین چھین چھین کر قہقہے لگا رہے تھے ۔

میں نے یونیورسٹی کی طرف دیکھا ۔ ابھی کچھ اور پروفیسر نما ، سوکھے

مارے ، تھکن سے چور ، اپنے وزن سے زیادہ بوجھل بریف کیس سنبھالے ہوئے لوگ ، بس اسٹاپ کی طرف آرہے تھے ۔ بہت آہستہ آہستہ ۔ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ ۔ جب سڑک پر کوئی کار زن سے گزرتی تو یہ لوگ بڑی رشک بھری نظروں سے کار کا تعاقب کرتے تھے ۔ یہ ملک کو دانشور ، لیڈر ، ڈاکٹر اور انجینئر ڈھال کر دینے والے لوگ تھے ، جنہیں شام کو اپنے گھر پہنچنے کے لیے کسی بس میں سیٹ نہیں ملتی تھی ۔ پہلے انہوں نے کاروں کے خواب دیکھے ، پھر اسکوٹر کے اور آخر میں صرف اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے بس آتی ہے ۔ مگر نہیں ، میں بھول گیا ۔ یہ بس اسٹاپ دہلی یونیورسٹی کا نہیں ہے ۔ میں تو صرف دو دن کے لیے ایک VIVA ۔ VOCE لینے کے لیے حیدرآباد آیا تھا ۔ آنے والی بارش کی خنکی سے بوجھل ہواؤں سے مجھے نیند نہیں آرہی تھی ، جی چاہ رہا تھا جلدی سے گیسٹ ہاؤس جاکر سوجاؤں ۔ مگر کیمپس سے دور ، جھلملانے والی روشنیاں جیسے مجھے آنکھ مار کے اشارے کررہی تھیں کہ ادھر آؤنا ......

جانے کیوں اس سرخ دھرتی اور سیاہ پتھروں سے گھرے ، اونچی ڈیوڑھیوں والے ، حیدرآباد میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں اب آوارہ ہواؤں جیسے عیش پسند شہزادے اور برہا کی ماری کوئل جیسی کسی غم نصیب شہزادی کی کہانی ضرور ملے گی ۔ مگر اونچی اونچی ڈیوڑھیوں کی آراستہ خوابگاہوں میں سونے چاندی کے پایوں والے چھپر کھٹ پر ، چاند ستاروں کی مچھر دانی تلے سونے والی نازک اندام شہزادیاں بیل باٹم اور کوٹی پہنے ، سڑک کے فٹ پاتھ پر بیٹھی ، مارکس کے " سرمایہ " کی ورق گردانی کررہی تھیں اور ان کے لیے ہیروں کے طوق پہننے والے ، ہاتھی پر سوار ہوکر ، زربفت کی شیروانیوں پر سچے موتیوں کا سہرا باندھے ، دونوں ہاتھوں سے اشرفیاں لٹاتے آنے والے بنے ، اپنی کارٹون چھپی ہوئی ، رنگ برنگی بشرٹوں کی خالی جیبوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھ

رہے تھے کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کا ٹکٹ خرید سکتے ہیں یا نہیں ! پتہ نہیں کیوں جب بھی حیدر آباد آتا ہوں تو میرا دل ایک تجسس آمیز خوشی سے بھر جاتا ہے ۔ اس الف لیلہ کی داستانوں جیسے شہر میں رنگا رنگ کہانیوں ، ادب و تہذیب کی محفلوں اور گلاب کی طرح کھلے ہوئے لوگوں سے مل کر بے پناہ خوشی کا احساس ہوتا ہے ۔ یوں لگتا ہے جیسے اب ایک روئی کے بالوں جیسا ، سیاہ فرغل پہنے بوڑھا لاٹھی ٹیکتا ہوا اٹھے گا اور کہنا شروع کرے گا کہ ...

" تو پیارے حاضرین باتمکین ... بہت دن ہوئے جب دکن کی ایک سانولی ایک خوبصورت طرحدار پاشازادے کے دام الفت میں گرفتار ہوئی ۔ جینے سے بیزار ہوئی ۔ رات دن غم کھانا اور آنسوؤں سے منہ دھونا اس کا شعار ..... "

ابے یوسف بے کارواں ادھر کہاں آ نکلا یار تو ... " ! اچانک بھیڑ کو چیرتا ہوا سریندر آیا اور حسب عادت میری بانہوں میں جھول گیا ۔

" دہلی سے کب آئے ، کدھر بھاگنے کی سوچ رہے تھے ؟ میرے ڈپارٹمنٹ کیوں نہیں آئے ؟ " اس کے تمام سوالوں کے جواب میں میں نے کہا ۔

" قسم خدا کی یار " وائے وا دینے والوں نے دماغ نچوڑ لیا ۔ اب میں تمہاری تلاش کی فکر کر رہا تھا ۔ " سریندر کے پیچھے ایک لڑکی اور ایک مرد بھی تھا ۔ یہ میرے دوست ڈاکٹر پرکاش راؤ ہیں ، باٹنی پڑھاتے ہیں اور یہ ہیں مس ونیتا گوڑ ... سائیکلوجی کی لیکچرر ۔ " لیکن ان دونوں پر ایک نظر ڈال کر ہی میں سمجھ گیا کہ سریندر کو بیچ میں " اور " لگانے کی ضرورت نہیں تھی ۔ کیونکہ وہ دونوں بہت پاس پاس تھے یا پاس پاس ہونا چاہتے تھے ۔

" اور بھئی یہ ہمارے مہاتما ، دانشور ، جینئس ، شاعر اور ہندوستان کے بہت اہم نقاد سید یوسف علی ... پرکاش ، یار ذرا ان سے بچ کر رہنا ، وہ یہ اپنا

تمام فلسفہ تمہارے دماغ میں انڈیل کر چھوڑیں گے ۔ "

ہم سب نے قہقہوں کے ساتھ ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے ۔ پرکاش بڑا صحت مند، اونچا پورا، خوش شکل نوجوان تھا۔ ونیتا کو دیکھ کر یوں لگا جیسے دنیا کی ہر خوشی کو وہ اپنا حق سمجھتی ہو۔ جیسے اس کے ہنسنے، قہقہے لگانے کے لیے ہی آج موسم اتنا سلونا ہورہا تھا۔ ہوائیں گنگنارہی تھیں، بادل جھومتے ہوئے نیچے جھکے چلے آرہے تھے ۔ دو محبت کرنے والوں کے بیچ جو ایک کشش سی ہوتی ہے، ایک انجانا سا بندھن، وہ مجھے پرکاش اور ونیتا کے درمیان جانے کیسے محسوس ہورہا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں کبھی کبھار شاعری بھی کرتا تھا۔ میں نے ریسرچ کی تھی تو اردو شاعری میں انسانی فطرت کے بڑے نازک گوشوں پر بھی غور کرنا پڑا ۔ مگر میر اور غالب کو ایسی محبوبہ نہیں ملی تھی جو ونیتا کی طرح پرکاش سے بالکل لگ کر ہی کھڑی ہونا چاہتی تھی۔ کسی بے اختیار جذبے کے ساتھ اس کی طرف کھنچی چلی جاتی تھی ۔

باتیں کرتے میں، چلتے میں، ہنسنے میں بار بار ونیتا پرکاش کی طرف دیکھے جاتی تھی۔ کبھی اس کا ہاتھ پکڑلیتی، کبھی اس کے کاندھے کے پاس سر لے جاکر غیر محسوس دھول جھٹکنے لگتی اور کبھی بس یوں ہی قہقہے لگائے جاتی تھی۔

بس میں سوار ہونے کے بعد پرکاش نے مڑکر سریندر سے کہا۔

" سریندر ! یوسف صاحب تمہارے دوست ہیں تو آج سے ہمارے بھی دوست ہوگئے ۔ اب انھیں کسی ہوٹل لے جا کر حیدرآبادی بریانی کھلائیں گے ۔ "

ہوٹل کیوں ... ؟ ونیتا نے برا سا منہ بنایا۔

" پرکاش، انہیں اپنے گھر لے چلو نا۔ ممی اور میں دونوں مل کر جھٹ پٹ خوب مزیدار کھانا بنادیں گے ۔ " ونیتا نے بیحد خوش ہوکر کہا۔

" ارے نہیں ۔ " پرکاش نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

"شام کے وقت گھر میں بڑی بوریت ہوگی۔"

ہاں بھئی یوسف، میں تم سے یہ کہنا تو بھول گیا کہ یہ جو ہمارے پرکاش بابو ہیں نا، یہ بڑے من موجی ہیں۔ بس ہر وقت پکنک کے موڈ میں رہتے ہیں۔ انھیں گھر میں بیٹھنے سے بڑی نفرت ہے۔"

"واہ واہ۔ تو پھر ملاؤ یار ہاتھ۔" میں نے بڑھ کر گرم جوشی سے ہاتھ بڑھایا تو پرکاش بڑی محبت سے گلے لگ گیا۔

"میری عمر چالیس برس ہے۔ اس میں سے بیس برس میں نے گھر سے دور سفر میں گزارے ہیں۔" میں نے جھک کر کہا۔

"ارے ہاں یار! یوسف میاں تو یورپ کی گلی گلی چھان آئے ہیں۔ بقول شخصے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکے ہیں۔" ہم تینوں پھر زور سے ہنس پڑے سب سے جاندار اور اونچا قہقہہ ونیتا کا تھا۔

"یو آر ویری لکی مین۔" پرکاش بڑی دیر تک میرا ہاتھ تھامے رہا۔ بس عابد شاپ کے اسٹاپ پر رکی تو پرکاش نے سب سے کہا۔

"یس یہاں اتر جاتے ہیں۔ کوالٹی چلیں گے۔"

"مگر وہاں اندھیرا بہت ہوتا ہے۔" ونیتا نے بڑی شوخ نظروں سے پرکاش کو دیکھا۔

"یہ تم دونوں کے لیے بہت اچھا ہے" سریندر نے مسکرا کے ونیتا سے کہا۔ "البتہ ہم جیسے اکیلوں کو بوریت ہوگی! کیوں یوسف بھائی؟" اس بات پر پھر سب سے اونچا قہقہہ ونیتا کا تھا۔ ایک کونے کی میز کے آس پاس سب بیٹھ گئے تو پرکاش نے مجھ سے پوچھا۔

"بیئر چلے گی یوسف صاحب...؟"

"یس..." میں نے گردن ہلائی۔ "آپ تینوں سے ملاقات کی اس یادگار شام کو رنگین تو بنانا ہی پڑے گا۔"

ونیتا کے لیے آرنج جوس آگیا۔ پرکاش کے چہرے کا ہر ری ایکشن ونیتا کے چہرے پر ابھرتا، ڈوبتا اور جھلملاکر رہ جاتا تھا۔ دو برس کے بعد سریندر سے ملاقات ہوئی تھی اس لیے باتوں کا ایک بوجھ میرے دماغ پر رکھا ہوا تھا۔ مگر پرکاش اور ونیتا کے قہقہے کسی کو سنجیدہ نہیں ہونے دے رہے تھے۔ بار میں بیٹھے ہوئے لوگ مڑ مڑ کے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ بلکہ صرف ونیتا کو۔ اس کے چاروں طرف رنگوں اور خوشیوں کا ہالہ سا کھنچا ہوا تھا۔ کوالٹی کے دھندلکے میں اس کی آنکھیں چمک چمک جاتیں، ہونٹوں کے گلاب کھل کھل اٹھتے۔ ونیتا کے چہرے پر سب سے اچھے اس کے ہونٹ تھے، تیکھے، ابھرنے والے اور بار بار اپنی بناوٹ بدل کر جذبات کا اظہار کرنے والے۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی سی تھیں، باتیں کرتے وقت زور سے ہنستے وقت وہ اپنی چھوٹی سی ناک کے ساتھ آنکھوں کو بھی اور سکیڑ لیتی تھی۔ ننھی بچیوں کی طرح۔ مگر پھر بھی اس کے گندمی رنگ، کٹے ہوئے بے ترتیب بالوں اور صحت مند بدن میں بڑی کشش تھی۔ سیاہ بیل باٹم اور سرخ چھوٹی سی شرٹ میں بھی وہ اچھی لگ رہی تھی۔ یوں ہی جیسے آپ ہر روز بس اسٹاپ، سینما ہاؤس یا کالج کے سامنے، بہت سی خوش شکل لڑکیوں کو دیکھتے ہیں جو خوبصورت نہیں ہوتیں، مگر پھر بھی آپ کی نظریں دور تک ان کا تعاقب کرتی ہیں، ان کے نظروں سے چھپ جانے پر جانے کیسے دکھ کا احساس سا ہر طرف چھاجاتا ہے۔ مگر ونیتا تو میرے سامنے بیٹھی تھی اور آج بیئر میں بڑا مزا آرہاتھا۔ میں سریندر کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ پرکاش بھی ہمارا ساتھ دے رہاتھا۔ ونیتا جوس کا گلاس سامنے رکھے ماچس کی تیلیوں سے ایک گھر بنانے میں مصروف تھی جو بار بار ڈھے جاتا تھا۔ پھر بھی وہ ہنسے جاتی۔ جانے کس بات پر۔ کئی بار کوئی مزیدار چیز اس نے اپنے ہاتھ سے پرکاش کو کھلائی۔ مجھے سریندر کی اس بات پر یقین نہیں آرہاتھا جو اس نے ونیتا کے بارے میں

بتائی تھی ۔ بی اے کی اسٹوڈنٹ معلوم ہورہی تھی ۔ بیس بائیس برس کی ۔ مگر جب وہ چلتے چلتے سب سے آگے نکل جاتی ، سڑک سب سے پہلے پار کرلیتی ، آگے بڑھ کر ٹیکسی کو بلالیتی ، تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ لیکچرر بھی ہوسکتی ہے ۔ پرکاش عمر میں اس سے چھ سات برس بڑا لگتا تھا ، مگر وہ ایک بچے کی طرح اس کی دیکھ بھال کررہی تھی ۔ آج پرکاش کو زکام تھا اور وہ پرکاش کی ہر چھینک پر گھبرا کے کہتی ۔

" پرکاش ، پلیز ! ڈاکٹر کے پاس آج چلے جاؤ نا کہیں فلو نہ ہوجائے ۔"

" افوہ " پرکاش نے جھنجلا کر کہا ۔ " ونتی ، ذرا مزے کی باتیں ہورہی ہیں یوسف صاحب سے ۔ اس وقت ، ڈاکٹر کا نام لیکر بور مت کرو یار ۔ " اور پھر ہم دہلی کی سیاست کے اندرونی حقائق پر قہقہے لگاتے رہے ۔ بعض عورتیں صرف ماں ہوتی ہیں ۔ وہ اپنے باپ ، بھائی ، بیٹے اور محبوب سب کے لیے ممتا کا جذبہ جگائے رکھتی ہیں ، مجھے ایسا لگا جیسے پل پل کی خبر گیری سے پرکاش بور ہورہا تھا ۔ لیکن ونیتا کو منہ پھلائے ماچس کی تیلیوں سے کھیلتے دیکھ کر وہ اس کی طرف مڑ گیا ۔

" ہاں تو بھئی ونتی ، اب تم بھی تو یوسف صاحب سے کچھ باتیں کرونا ۔ وہ جو شادی کے بعد ہمارا گھر بنے گا ، اس کی کہانی سناؤ ۔ ایک بات سن لیجیے یوسف صاحب ۔ " اس نے ونتی کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھکر کہا ۔ " ہمارے دروازے پر کال بیل نہیں لگے گی ۔ یہ ہماری ونتی کو پسند نہیں ہے ۔ آپ آئیں تو ونتی کا نام لے کر زور زور سے چلانا پڑیگا ۔ "

" میرا کیوں ..... ؟ " ونتی نے چھوٹی بچیوں کی طرح تنک کر کہا ۔

" آپ کا نام لے کر پکاریں گے سب لوگ ۔ وہ مکان تو آپ کا ہوگا ۔ "

" ہٹاؤ جھگڑا کیا ہے ، کیوں نہ ہم تم دونوں کو اکٹھے پکاریں ، پرکاش ونیتا " سریندر زور سے چلایا تو ونیتا بھی ہنس پڑی اور کرسی کے تکیئے پر سر رکھ کر

چھت دیکھنے لگی ۔
" کتنی خوبصورت سیلنگ ہے نا ؟ ہم بھی اپنے گھر میں ایسی ہی چھت لگائیں گے ۔ "
" اچھا ! اوہو ! " ہم سب پھر ہنسنے لگے اور پرکاش نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کہا ۔
" یارو ! میرے سر پر چھت گر رہی ہے مجھے بچاؤ " ایک بار پھر بیئر کے سرور میں ڈوبے ہوئے قہقہوں سے سارا بار گونج اٹھا ۔
" اس لڑکی کو دنیا کی ہر خوبصورتی چرا کے اپنے گھر میں بھر لینے کا خبط ہے ۔ " پرکاش نے ہنستے ہنستے ونیتا کے سر پر ایک دھپ مار کے کہا ۔
" ہاں جس طرح اس نے دنیا کی ہر خوبصورتی چھین کر اپنے چہرے پر جمع کر رکھی ہے ۔ " اب کی بار سریندر کی بات پر سب کو ہنسنا لازمی تھا ۔
" چلو ہٹو ۔ سریندر بھیا کو ہنسانا بہت آتا ہے ۔ " ونیتا نے منہ بنالیا اور پھر کچھ سنجیدہ سی ہو کر مجھ سے بولی ۔
" یوسف صاحب ! مجھے گھر سجانے کا بہت شوق ہے جب میں بہت چھوٹی سی تھی ، مدراس کے ایک ہاسٹل میں پڑھتی تھی ، تو دن بھر کارڈ بورڈ سے ننھے سے گھر بنایا کرتی تھی ۔ مجھے گڑیوں کا گھر بنانے کا بہت شوق تھا ۔ پھر کپڑے کی چھوٹی چھوٹی سی گڑیاں بنا کر اس میں بٹھا دیتی ۔ مجھے رات کو سوتے وقت ایسا لگتا تھا جیسے وہ گڑیاں اب چپکے سے اٹھ کر گھر میں چل پھر رہی ہوں گی ۔ مگر صبح مجھے دیکھ کر پھر سوتی بن جائیں گی ۔ " وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھامے ، میز پر جھکی بہت آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی جیسے ابھی تک وہ کسی گڑیا کے بجائے اپنے آپ کو ایک ننھے سے گھر میں بیٹھا دیکھ رہی ہو ۔
" تو میاں پرکاش ! اب تم بھی کاٹھ کے الو بنائے جاؤ گے ۔ بس چپ چاپ بیٹھے رہنا کسی طاق میں ۔ " سریندر کی بات پر ہم تینوں کا ہنستے ہنستے برا

حال ہو گیا۔

"سچ کہتے ہو یارو ! نجانے یہ لڑکی مجھے کتنے ناچ نچانے والی ہے۔" پرکاش نے نشے سے بوجھل ہاتھوں سے ونیتا کو اپنی طرف کھینچا تو وہ دور ہٹ گئی۔

"اچھا۔ آپ کو ایک مزے کی بات سناؤں گی" ونیتا نے منہ پر سے بال جھٹک کر بڑی شوخی سے کہا۔

"پرکاش کو گھر میں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا ہے نا۔ اس لیے یہ اپنے گھر کا نام "پنجرہ" رکھیں گے۔" اپنی بات پر ونیتا خود ہی بڑے زور سے ہنس پڑی۔

"ہاں اور میں کسی جاندار کو پنجرے میں بند نہیں دیکھ سکتا۔" پرکاش نے سگریٹ سلگایا اور دوسرا سگریٹ مجھے آفر کیا۔

"یارو ! یہاں سب ہمیں پاگل سمجھ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ مینجر خود آکر گیٹ آوٹ کردے، ہمیں خود اب سر پر پیر رکھ کر بھاگنا چاہیے یہاں سے۔" پرکاش نے بل کی پلیٹ میں ایک سو کا نوٹ رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر سڑک پر آئے تو ٹھنڈی ہوائیں ہمارے استقبال کو کھڑی تھیں، بارش ہو کر تھم چکی تھی۔

اکا دکا بوند برف کی ڈلیوں کی طرح گرم بدن پر لگ رہی تھی۔

"باہر تو خوب سردی ہے۔" ونیتا نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں بازوؤں پر لپیٹ کر کہا۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے یار سریندر، یوسف صاحب سے ہماری بہت پرانی ملاقات ہے۔" پرکاش نے سریندر سے کہا۔

"ہاں، ان میں ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ یہ دوستی کو منٹوں میں پرانا کردیتے ہیں۔" سریندر میری طرف بڑھا۔

"تو پھر کب آؤ گے حیدرآباد۔؟"

" میرا خیال ہے پرکاش اور ونیتا کی شادی پر آنا پڑے گا۔ ذرا مجھے یہ بتائیے کہ آپ دونوں کی شادی کب اور کہاں ہوگی ؟ "

" ہماری شادی ؟ " ۔ پرکاش نے سر کھجاکر سوچتے ہوئے کہا ۔ " میرا خیال ہے کہ ہماری شادی تو ہوچکی ہے ۔ کیوں ونتی ؟ " ونیتا نے اس بات پر خالص لڑکیوں والے انداز میں شرما کر سر جھکا لیا ۔ میں اور سریندر پھر ہنس پڑے ۔

" اچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی نہیں ہوئی ہے ۔ " وہ پھر میری طرف مڑگیا " کب ہوگی اور کہاں ہوگی ۔ اس بات کا یقین نہیں ہے ۔ البتہ اب کی چھٹیوں میں ہم ایک ٹور پر نکلیں گے ۔ پہلے بنگلور پھر کوڈی کنال ، پھر شملہ ، پھر دہلی ۔ بس اس سفر میں کہیں نہ کہیں شادی بھی کرلیں گے ۔ کیوں ونتی ٹھیک ہے نا ؟ "

" بس کرو ۔ " ونیتا نے جھوٹ موٹ کے غصے سے پرکاش کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ۔ " مجھے ابھی سے تھکان ہورہی ہے ۔ اتنے پہاڑوں پر چڑھنے سے ۔ تمہارا بس چلے تو ہر وقت ہواؤں میں اڑتے پھرو ۔ جانے کیا ملتا ہے اس آوارہ گردی میں ۔ "

" بہت کچھ ملتا ہے ۔ کیوں یوسف صاحب ؟ " اس نے ہنس کر میری طرف دیکھا

" کیا کیا ۔۔۔ ؟ " ونیتا نے چڑ کر پوچھا ۔

" دوسری رنگین چڑیوں کا ساتھ ۔ " پرکاش نے پہلے ہی سے ونیتا کی چپت سے بچنے کے لیے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا ۔ ونیتا اسے پکڑنے لپکی اور پھر چاروں طرف بے فکرے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ پاکر اس کی کلائی پر کاٹنے لگی ۔

" ہائے مرگیا ۔ " پرکاش جھوٹ موٹ کے غصے سے چلایا ۔

" مجھے اس سائیکلوجی کی استانی ماں سے بچاؤ یارو ! آئی ایم ویری ساری ۔ کہو تو ہاسٹل جانے کے بعد مرغا بھی بن جاؤں ۔ " وہ چھوٹے بچوں کی طرح کان پکڑے کہہ رہا تھا ۔

" بننے کی کیا ضرورت ہے ؟ " ونیتا کی اس بات پر ایک بار پھر سب ہنس پڑے ۔

" اچھا تو اب اجازت دیجیے ۔ یہ خوشگوار شام جو آپ لوگوں کے ساتھ گزری میں کبھی نہیں بھولونگا ۔ " میں نے پرکاش سے ہاتھ ملایا اور پھر ونیتا کی طرف دیکھا ۔

" تو پھر اگلی بار جب حیدرآباد آوں گا تو آپ کے گھر پر ملاقات ہوگی ؟ "

" لیکن آپ کو پرکاش سے ایک بار ملنے کے لیے ہمارے گھر دس بار آنا پڑے گا ۔ " ونیتا نے منہ پھلا کر کہا ۔

" اچھا وہ کیوں ؟ کیاں آپ ان سے ہر وقت نہیں ملنے دیں گی ؟ "

" جی نہیں جناب ، یہ مسٹر سیر سپاٹے کے بڑے شوقین ہیں ، مجھے معلوم ہے کے کبھی وقت پر گھر نہیں آیا کریں گے ۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ مجھے بالکل ہی اپنی دھرم پتنی نہ بنادیں کے رات کے بارہ بارہ بجے تک میز پر کھانا رکھے جاگتی رہوں گی پتی دیو کے انتظار میں ۔ "

" یہ تو ہوا کرے گا ۔ " پرکاش نے کنجیوں کا گچھا ہوا میں اچھالتے ہوئے کہا ۔

" اپن رمی تو چھوڑنے والے نہیں ہیں ۔ "

" تو پھر کیا چھوڑنے والے ہیں ... ؟ " ونیتا ایکدم سنجیدہ ہوگئی ۔

" فی الحال اس سڑک کو چھوڑنے والے ہیں ۔ ورنہ ہوٹل کا مینیجر اب ہمیں ناشتہ کرنے پھر اندر بلالے گا ۔ " پرکاش نے آگے بڑھ کر ایک ٹیکسی

بلائی۔

"تو پھر کل ملیں گے یوسف بھائی۔ آپ صبح آٹھ بجے تک ونیتا کے ہاسٹل آجائیے۔ کل عثمان ساگر لے چلیں گے آپ کو۔ ذرا کھلے آسمان تلے گپ شپ ہوگی۔"

"مگر ایک بات سنو پرکاش۔ جب تم اپنا گھر بنواؤ نا تو اس پر چھت مت ڈلوانا تاکہ کھلے آسمان تلے رہ سکو۔" سریندر نے ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے کہا۔

"مگر گھر کی بھی کیا ضرورت ہے یار۔ ہم گھوم پھر کے بھی زندگی گزار سکتے ہیں۔" اس نے ونیتا کے تھپڑ کی امید میں پھر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔

"بہت ہوچکی بکواس۔ مجھے جلدی ہاسٹل پہنچادو ورنہ ہاسٹل کی وارڈن مجھے مارے گی۔" ونیتا نے سچ مچ گھبرا کے کہا۔

"آپ ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں؟" میں نے ونیتا کے کمرے میں آنے کے بعد پوچھا۔

"ابھی آپ سے بات کرتی ہوں۔" ونیتا اپنے بھیگے بالوں کو جھٹکتے ہوئے اندر چلی گئی۔

ونیتا نے آج بڑی خوب صورتی سے میک اپ کیا تھا اور سیاہ پرینٹڈ میکسی پہنی تھی اور کوئی بھینی سی خوشبو لگائی تھی جو کمرے کے اندر آتے ہی ایک خوشگوار موڈ کے ساتھ استقبال کرتی تھی۔ اس کا کمرہ لکڑی کے پارٹیشن سے دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طرف بیڈروم۔ دوسری طرف جہاں میں بیٹھا تھا۔ اسمیں ونیتا نے کچن۔ اسٹور۔ ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم سب کچھ بنا رکھا تھا۔ مگر ہر چیز بڑی نفاست اور سلیقے سے اپنی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ جیسے

اس نے اس چھوٹے سے کمرے میں ہر چیز رکھنے کے بارے میں کافی سوچ بچار کیا ہو۔ کونے کی ایک میز پر اسٹو اور اس کے اوپر شیلف میں کچن کا سامان رکھا تھا۔ چھوٹے سائز کے فریج کے اوپر سورج مکھی کے تازہ پھولوں کا بڑا سا گلدستہ تھا۔ ریڈیو کے اوپر منی پلانٹ کی بیل کا واز تھا۔ صوفے پر خوبصورتی سے بنائے ہوئے کشن پڑے تھے۔ شوکیس میں ہر قسم کی گڑیاں مسکرارہی تھیں، ناچتی گاتی، بنجاروں کا لباس پہنے، پنجابی سوٹ میں مسکراتی، دولہا دلہن بنی، چھوٹے بچوں کی طرح دیکھنے والوں کی طرف ہمکتی ہوئی ان گڑیوں کی وجہ سے یوں لگتا جیسے کمرے میں بہت سے لوگوں کی چہل پہل ہو۔ ونیتا تولیے میں بال لپیٹ کر اندر آئی۔ اس نے فریج سے پھل اور مٹھائی نکالی اور میرے سامنے رکھدی۔

" یہ گلاب جامن میں نے خود بنائے ہیں۔ پرکاش بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ " ان گلاب جامنوں کا ذائقہ مجھے ونیتا کے سارے چہرے پر گھلا ہوا لگ رہا تھا۔

" آپ ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں ؟ " میں نے گلاب جامن کھاتے کھاتے پوچھا۔ ونیتا نے گرم پانی ٹی پاٹ میں ڈالتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر کچھ رک کر بولی۔

" میرا گھر کہاں ہے ابھی۔ مجھے ابھی چھ مہینے پہلے جاب ملی ہے۔ " پھر وہ میرے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی اور اپنے ہاتھوں کو نیپکن سے صاف کرنے لگی۔

" اس سے پہلے میں ایک مکان میں پیینگ گیسٹ تھی۔ "

" تو کیا آپ حیدرآباد کی رہنے والی نہیں ہیں ؟ " ونیتا نے کانٹا اٹھاکر پلیٹ میں پڑی ہوئی گلاب جامن کے دو ٹکڑے کئے، پھر تین اور پھر ان ٹکڑوں کو الگ الگ کرتے ہوئے دھیرے دھیرے کہنے لگی۔

" میرا گھر کہیں بھی نہیں ہے یوسف صاحب ۔ میں تین برس کی تھی جب ممی کے مرنے کے بعد پپا نے دوسرا شادی کی تو مجھے بورڈنگ میں داخل کر دیا ۔ میں چھٹیوں میں گھر جاتی تھی تو میری سوتیلی بہنیں کہتی تھیں ، تم ہمارے گھر کیوں آتی ہو ۔ تب میں سوچتی ، پھر میرا گھر کہاں ہے ؟ میرے ایسے سوالوں سے گھبرا کے پپا مجھے چھٹیوں میں آنٹ کے گھر بھیج دیتے تھے ۔ کبھی چاچا کے ہاں ۔ اسی طرح میں اتنی بڑی ہو گئی ۔ " اس نے چھت کی طرف نظریں اٹھاکر دیکھا اس کی آنکھیں چھلک رہی تھیں جنھیں وہ روکنے کی کوشش کر رہی تھی ۔

" خیر اب پرکاش آپ کے لیے بہت خوبصورت گھر بنادیں گے ۔ " میں نے اسے خوش کرنے کے لیے کہا ۔

" ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے ۔ " وہ ایک دم بچوں کی طرح خوش ہو گئی ۔ " میں نے سوچ لیا ہے میں اپنا گھر خود بناؤں گی ۔ خود ہی اسے بناؤں گی ۔ ویسے پرکاش کا بڑا خوبصورت مکان ہے اس کے ڈیڈی بہت بڑے بزنس مین ہیں ۔ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہے نا ۔ اس لیے ممی نے اسے بچپن میں ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھا ۔ بس گھر میں رہتے رہتے پرکاش بور ہو گیا ہے اب ۔ "

" آپ جاتی ہیں پرکاش کی ممی سے ملنے ؟ " میں نے چائے کی پیالی اٹھاکر پوچھا ۔

" ہاں بڑی پیاری سی ہے پرکاش کی ممی ۔ وہ ہمارے انگیجمنٹ پر بہت خوش ہے ۔ وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ پرکاش اب کسی ایک جگہ ٹھکانے سے بیٹھنا سیکھے ۔ آپ چائے اور لیں گے ؟ "

" جی بس شکریہ ... سگریٹ سلگا سکتا ہوں ؟ " میں نے جھک کر کہا اور ونیتا کے گردن ہلانے پر میں نے شکریہ ادا کیا ۔

"اب تو آپ کو اس کمرے میں صرف چند مہینے رہنا ہے ۔ مگر آپ نے یہاں ہر طرف باغ لگانے کی کوشش کی ہے ۔" میں نے دیوار کے سہارے چڑھنے والے رنگ برنگے پودے اور بیلیں دیکھ کر کہا ۔

"مجھے پودے لگانے کا بڑا شوق ہے ۔" ونیتا نے ایک بیل کے پاس جاکر اس کی پتیوں پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ۔ "پھولوں پھلوں کے درختوں کی موجودگی سے گھر کی سی فضا بنتی ہے نا ۔ یہ جو بیل ہے اسے میں نے ذرا سا رسی کا سہارا دیا تو کتنی اوپر آگئی ۔"

دور کہیں سڑک پر پرکاش کی کار کا ہارن گونجا اور ونیتا چونک پڑی ۔

"وہ آگئے ....." میکسی کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر وہ باہر بھاگی ۔ "پرکاش آگئے ... اٹھیے ۔" ونیتا چھوٹی بچیوں کی طرح تالیاں بجاتی ہوئی اندر آگئی ۔ "آج میں نے وہاں کھانے کے لیے رات بھر جاگ کر خوب چیزیں پکائی ہیں ۔" وہ جلدی جلدی ٹفن کیریر ، باسکٹ اور کچھ پیکٹ لالاکر سامنے رکھ رہی تھی ۔ "اس میں پوریاں اور آلو کی کری ۔ یہ کریلے کا سالن ہے ۔ پرکاش کریلے بہت شوق سے کھاتا ہے ۔"

"ہیلو ..... یعنی آپ آچکے ہیں ۔" پرکاش نے اندر آکر مجھ سے ہاتھ ملایا ۔

"اب جلدی اٹھیے ، ورنہ سورج نکل آیا تو ٹھنڈی ہواؤں کا مزا نہیں آئے گا ۔" پھر اس نے ونیتا کی چھوڑی ہوئی ادھوری چائے کی پیالی منہ سے لگائی اور مڑ کے ونیتا کی طرف دیکھا ۔

"اف اتنی میٹھی چائے ... یقیناً ونیتا ، تم نے اس میں اپنے ہونٹ ڈبوئے ہونگے ۔"

"چلو ہٹو ۔" ونیتا سچ مچ شرما گئی ۔

"مگر تم اس سج دھج کے ساتھ میرے ساتھ بیٹھوگی تو میں کار کیسے چلاؤں

گا۔" اس نے پھر ونیتا کی طرف دیکھا۔

"یوسف بھائی ! آپ کو کار ڈرائیو کرنا آتی ہے تو بس آپ اور سریندر سامنے کی سیٹ پر۔"

"اب ستائیے مت، ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔" ونیتا بالوں کو جھٹک کر مچلنے لگی۔ پھر اسے اچانک کچھ یاد آیا اور وہ ٹفن کیریر اٹھانے لگی۔

"پرکاش گلاب جامن کھاؤ گے؟ میں نے بڑی محنت سے بنائے ہیں۔"

پرکاش کچھ جواب دینا چاہتا تھا، مگر اسکی نظر ٹفن کیریر پر گئی اور پھر اس نے باسکٹ کو دیکھا۔

"یہ، یہ کیا سامان ہے ونتی ! کیا تم نے گاؤں والوں کی طرح اپنے کھانے کی پوٹلی تیار کرلی ہے ؟" پرکاش کچھ اچانک غصے میں آگیا۔ "کوئی سامان ساتھ نہیں جائے گا۔ ارے جنگل میں بھی جاؤ تو گھر کی پوریاں ہی نگلنا پڑیں۔" ونیتا کا چہرہ اتر گیا۔ وہ ایک کونے میں ہٹ کر کھڑی ہوگئی تو سریندر نے کہا۔

"مگر ہم تو آج ونیتا کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا ہی کھائیں گے۔ اس لیے یہ ٹفن کیریر ہمارے ساتھ جائے گا۔"

"پرکاش صاحب۔ آپ کو معلوم ہے اس کھانے کو تیار کرنے کے لیے ونیتا رات بھر جاگی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" پرکاش نے منہ بنا کر کہا۔ "تو پھر ہم باہر کیوں جائیں۔ ساری رات جاگ کر بنایا ہوا کھانا یہیں کھائے لیتے ہیں۔"

"بالکل اڑیل ٹٹو ہے یہ شخص۔" سریندر نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "سب کا موڈ تباہ کردیا اس وقت۔"

"موڈ تو میرا تباہ ہوا ہے۔" پرکاش بچوں کی طرح جتانے لگا۔

"اب یہ کھانا کوئی نہیں کھائے گا" ونیتا نے ٹفن کیریر اٹھا کر تیزی

سے دروازے سے باہر پھینکا ، پرس اٹھایا اور تیزی سے باہر چلی گئی ۔ چند منٹ تک سب چپ چاپ کھڑے رہے ۔ پھر میں نے پرکاش سے کہا ۔

" ونیتا کو منا کر لے آو پرکاش ۔ "

" وہ کہیں نہیں جائے گی ۔ ابھی مولیاں اور گاجریں خرید کر آجائے گی ۔ " پرکاش اطمینان سے صوفے پر بیٹھ کر گلاب جامنیں کھانے لگا ۔

" یوسف بھائی ! میرے ڈیڈی نے میرے لیے بہت روپیہ جمع کیا ہے ۔ میں خود دو ہزار روپے کماتا ہوں ۔ پھر ونیتا کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ لیکن کھانا بنانا اور ترکاریاں خریدنا اس کی ہابی ہے ۔ "

" خیر چلو اب ، دیر ہو رہی ہے ۔ " میں نے سب کو باہر کی طرف ہانکا ۔

" پہلے چل کر ونیتا کو منالیں ، ورنہ راستے بھر منہ پھلائے رہے گی ۔ " پرکاش نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا ۔ ہم سب بہت دیر تک مارکیٹ میں ونیتا کو تلاش کرتے رہے ۔ پھر ہم ونیتا کی دوست سلمیٰ کے ہاں گئے ۔ وہ وہاں بھی نہیں آئی تھی ۔

" وہ ممی کے پاس گئی ہے ۔ میری شکایت کرنے ۔ " پرکاش نے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا ۔ ونیتا کے کھوجانے سے وہ کچھ گھبراسا گیا تھا ۔ ادھر پکنک کا پروگرام خراب کرنے کی وجہ سے سریندر اس پر مسلسل لعن طعن کیے جارہا تھا ۔

" اب ممی کے چانٹے بھی کھانا پڑیں گے ۔ " پرکاش نے کار پھاٹک کے باہر ہی روک دی اور دوڑتا ہوا اندر گیا ۔ پھر اتنی ہی تیزی سے باہر آیا ۔ پیچھے پیچھے اس کی ممی تھیں گھبرائی ہوئی سی ۔ ونیتا وہاں بھی نہیں آئی تھی ۔

" بات کیا ہے پرکاش ؟ ونیتا کہاں چلی گئی ؟ " گوری چٹی نرم و نازک سی ممی گھبرا گھبرا کے پوچھتی رہی ۔ مگر پرکاش نے ہاتھ ہلا کر ٹاٹا کرتے ہوئے کہا ۔

" گھبراؤ مت ممی ! کوئی بات نہیں ہے ۔ ہم ذرا جلدی میں ہیں ۔ "
مکان سے ذرا آگے جاکر پرکاش نے کار سڑک کے کنارے روک لی اور
اسٹیرنگ وہیل پر سر رکھ کر بیٹھ گیا ۔

" اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے ؟ تم پیچھے آجاؤ ۔ میں کار ڈرائیو کرتا
ہوں ۔ " سریندر نے اسے پیچھے بٹھایا اور کار اسٹارٹ کر کے بولا ۔ " پھر ہاسٹل
چلتے ہیں شاید وہیں واپس آگئی ہو ۔ " پرکاش پیچھے کی طرف سر ٹیک کر بیٹھ گیا
ہم دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے ۔

ہاسٹل میں ونیتا کا کمرہ ابھی اسی طرح کھلا پڑا تھا جیسے ہم چھوڑ گئے تھے ۔
پرکاش اندر گیا اور چپ چاپ بستر پر لیٹ گیا ۔ سریندر بھی بہت پریشان تھا ،
مگر وہ پرکاش کے پاس بیٹھ گیا ۔

" گھبراؤ مت پرکاش ! کہیں اپنی کسی دوست کے ہاں جا بیٹھی ہوگی ۔
غصہ کم ہوجائے گا تو آجائے گی ۔ وہ بھلا تمہیں چھوڑ کر کہیں جاسکتی ہے ؟ "
اور پھر سریندر نے مجھے اشارہ کیا کہ ہم دونوں ایک بار پھر اسے ڈھونڈیں ۔

" ہم ذرا یونیورسٹی کیمپس جاکر دیکھتے ہیں ۔ ممکن ہے اپنے کسی دوست
کے ہاں بیٹھی ہو ۔ " پرکاش نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ وہ اپنی باہوں میں منہ
چھپائے چپ چاپ لیٹا رہا ۔ ونیتا کو ہر جگہ ڈھونڈا وہ کہیں نہیں ملی ۔ مگر ہم یہ
بات پرکاش سے کہنے بھی نہیں جاسکتے تھے ۔ مجھے شام کی ٹرین سے دہلی
جانا تھا ۔ اس لیے میں گیسٹ ہاؤس جانا چاہتا تھا ۔ مگر سریندر نے کہا کہ احتیاطا
ہم دو چار پولیس اسٹیشنوں پر بھی اطلاع دیں کیوں کہ وہ بڑی جذباتی لڑکی ہے ۔ نہ
جانے پرکاش اپنی اس تیز مزاجی سے کیا کردے گا کسی دن ۔ دو چار اہم پولیس
اسٹیشنوں کو اطلاع دینے کے بعد ونیتا اور پرکاش کی اس محبت کے انجام سے
دل گھبرانے لگا ۔ دن بھر کی اس بھاگ دوڑ سے ہم دونوں بہت تھک گئے
تھے ۔ صبح ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا ۔ لیکن ابھی پرکاش کو تسلی دے کر

رخصت حاصل کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔ صرف ایک ہی دو ملاقاتوں میں ہم بہت قریب آچکے تھے۔ مجھے ونیتا سے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوچکی تھی۔ کار باہر روک کر ہم نہایت مریل قدموں سے ہاسٹل کی طرف بڑھے۔ پتہ نہیں پرکاش کتنی بے چینی سے ہمارا منتظر ہوگا اور ونیتا کو ہمارے ساتھ نہ پاکر کیا کر بیٹھے۔ کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھولا۔ اور ہم دونوں اچھل کر پیچھے ہٹے۔ ونیتا سامنے صوفے پر بیٹھی تھی اور بڑے پیار سے بڑے انہماک کے ساتھ پرکاش کو کیک کھلارہی تھی۔

ہمیں دیکھ کر ان دونوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ ایسا قہقہہ جو آتش بازی کے انار کی طرح اندھیرے آسمان پر بہت اوپر جاکر ہزاروں رنگ برنگے ستاروں میں بدل جاتا ہے۔ مگر یہ قہقہہ بجھا نہیں کیونکہ ہمارے مسرت سے بھرے قہقہے بڑی دیر تک اس کو جگمگاتے رہے۔ ہم لوگ کوئی دس پندرہ منٹ تک خوب قہقہے لگاکر اپنی تھکن اتار چکے تو سریندر ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا اور چہرے پر کافی سنجیدگی لاکر بولا۔

"ہم تو اب پولیس اسٹیشن سے تمہاری ڈیڈ باڈی اٹھاکر لانے کے انتظام میں مصروف ہوچکے تھے۔ اور یہ محترمہ یہاں بیٹھی اپنے دولہا میاں کا منہ میٹھا کرنے کی فکر میں ہیں۔"

"میں کیا کروں؟" ونیتا نے منہ پر سے بال جھٹک کر بڑی معصومیت سے کہا۔ "یہ گھر کی بنی ہوئی چیزیں نہیں کھارہے تھے اس لیے آٹو رکشا میں بیٹھ کر سکندر آباد گئی تھی۔ انناس کا کیک لانے۔ دیکھ لو اب کیسے مزے سے کھارہے ہیں۔" پرکاش چپکے چپکے ہماری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"ابھی جانے کتنا تھکائے گا یہ آدمی مجھے۔"

"اور جو ہم دونوں کا سارا دن تباہ ہوا ہے؟ آج بچارے یوسف کو خواہ مخواہ بھوکا پیاسا پریشان ہونا پڑا۔ کم بختو! اب تم دونوں ہم دونوں سے معافی

مانگو اور جرمانہ دو۔ مگر جلدی ہے ۔ یوسف کی ٹرین چھوٹنے میں صرف دو گھنٹے باقی ہیں ۔"

" صرف دو گھنٹے ... ؟ " پرکاش گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ " ونتی ! جلدی چل یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے ۔ " پرکاش نے ونیتا کا ہاتھ پکڑ کے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا ۔

مجھے حیدرآباد سے واپس آئے تقریباً چھ مہینے ہوئے ہوں گے ۔ ایک دن اچانک پرکاش ہمارے ڈپارٹمنٹ میں آنکلا ۔ یوں ہی ہنستا کھلکھلاتا ہوا ۔ پرکاش کا قہقہہ بڑا گونج دار ہوتا ہے ۔ رنگیلا چمکیلا ۔ وہ بات محض اس لیے کرتا تھا کہ قہقہہ لگا سکے ۔ وہ ہر بات پر ہنستا تھا ۔ اپنے پر ۔ دوسروں پر ۔ حالات پر ۔ کل کے بارے میں سوچنے والوں سے وہ بہت چڑتا تھا ۔ اسے صرف " آج " پسند تھا کسی بات کے لیے صبر کرنا ۔ انتظار کرنا اسے بالکل نہیں آتا تھا ۔

وہ دہلی اکیلا آیا تھا ۔ دہلی جیسی جگہ اور پرکاش اکیلا ۔ مجھے جانے کیوں اکیلا پرکاش اچھا نہیں لگا ۔ بعض عورتیں جانے کیوں اچھی لگنے لگتی ہیں ۔ چاہے وہ خوبصورت نہ ہوں ۔ قابل نہ ہوں ۔ کسی اور مرد کو پیار کرتی ہوں ۔ زندگی کی کسی بھی منزل پر انھیں پانے ۔ چھونے کی امید نہ ہو ۔ مگر پھر بھی ہم انھیں گلاب کے شگفتہ پھول کی طرح دیکھے جاتے ہیں ۔ وہ گلاب کے کانٹے کی طرح دل کے آس پاس کھٹکتی رہتی ہیں جی چاہتا ہے وہ سامنے رہیں ۔ ان کی باتوں کو سنتے رہیں ۔ بے معنی اور بے تکی باتیں ۔ سہل سی باتوں پر تعجب اور بڑی اہم باتوں سے بے تعلقی کا اظہار ۔

" ونیتا کو ساتھ نہیں لائے ؟ " آخر میں نے پوچھ ہی لیا ۔

" وہ تو بہت مصروف ہے گھر بنانے میں ۔ ممی نے اسے زمین خرید کر دی ہے تاکہ وہ اپنی پسند کا گھر بنالے ۔ اب اسے میرے ساتھ کہیں آنے کی فرصت کہاں ہے ۔ " اچانک پرکاش نے اپنا قہقہہ روک کر پہلی بار سنجیدگی

سے جواب دیا۔

" میں نے سوچا جب تک وہ کچن کے ڈیکوریشن میں مصروف ہے میں دہلی کی اس میٹنگ میں شریک ہوجاؤں۔" وہ پھر ہنسنے لگا۔

" مبارک ! پھر تو بڑا آئیڈیل گھر تیار ہوگا تمہارا۔" میں نے بھی ہنسنے میں اس کا ساتھ دیا۔

" ہاں ! میرا خیال ہے کہ ونیتا کا آئیڈیل گھر یقیناً تیار ہوجائے گا کیوں کہ اسے گھر بنانے کے سوا اور کچھ یاد نہیں ہے۔"

" شادی کی تاریخ بھی ... ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

" وہ بھی شاید اس لیے یاد ہو کہ بیڈروم سجانے کے لیے ایک مرد کی موجودگی ضروری ہے۔" اس بار پرکاش بہت زور سے ہنسا مگر مجھے اس کا قہقہہ بہت پھیکا لگا۔ بجھا بجھا سا بے جان سا اور پھر وہ خاموشی سے پاؤں ہلا ہلا کر تھوڑی دیر چپ چاپ بیٹھا۔ رہا لیکن اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی خاموشی سے میں کچھ محسوس نہ کرلوں۔

" چلو ! باہر چل کر ذرا دلی کی ہوا کھائیں۔ تمہارا ڈرائنگ روم بہت چھوٹا ہے یار۔" وہ گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر سڑک پر آکر وہ تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔

" پتہ نہیں یار ! مجھے یہ کیا بیماری ہوگئی ہے کہ کمرے میں بیٹھوں تو یوں لگتا ہے جیسے دیواریں آپس میں مل کر مجھے پیس دیں گی۔" وہ جلدی جلدی سگریٹ کے کش لینے لگا۔

" تم بڑے وہمی ہو۔ دیواریں تو ہماری پناہ گاہ ہیں، ایک حد ہیں، جس کے پار ہمیشہ خطرے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ پھر میں نے گھڑی دیکھی۔

" ارے !تمہاری فلائٹ، کا وقت ہورہا ہے۔ تین بج گئے۔"

" بجنے دو ۔ " پھر اس نے ایک ٹیکسی بلاتے ہوئے کہا ۔
" بڑا مزا آئے گا اگر میں ونیتا کو پلین سے اترتا ہوا نظر نہ آوں ۔ " وہ پھر ہنسنے لگا ۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی مگر پرکاش کا قہقہہ نہیں رکا ۔ میں جب اپنے ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو وہاں بھی جیسے پرکاش کے قہقہوں کا ٹیپ کسی نے لگا دیا تھا ۔ وہ ہنسے جا رہا تھا ۔ سوتے وقت بھی مجھے جیسے ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ونیتا کو پلین کی سیڑھیوں سے اترتا ہوا پرکاش نظر نہ آئے ۔ اس خیال کے ساتھ ہی جیسے کسی نے پرکاش کے قہقہوں کا ٹیپ پھر لگا دیا ۔

رات دھیرے دھیرے یوں بڑھ رہی تھی جیسے آدمی کا اپنے اوپر سے اعتماد اٹھتا ہے ۔ آج مجھے حیدرآباد میں بڑی سردی سی لگ رہی تھی ۔ میٹنگ ختم کرکے باہر آیا تو شام ہو چکی تھی ۔ پرکاش اور ونیتا گھر جا چکے ہوں گے ۔ ہوائیں تھمی تھمی سی تھیں ۔ سخت گرمی اور گھٹن تھی ۔ حیدرآباد کے اس بدلے ہوئے موسم پر مجھے تعجب ہوا ۔ ابھی ٹھنڈ تھی ، اب گرمی لگ رہی ہے ۔ میرے موڈ کی طرح ۔ مجھے پرکاش کے مکان کا راستہ یاد نہ تھا ۔ سریندر کا فون نمبر بھی بھول چکا تھا ۔ البتہ ونیتا کے ہاسٹل جا سکتا ہوں ۔ مگر تین برس ہوگئے ان سے ملے ہوئے ۔ اب تک تو ونیتا کئی بچوں کی ماں بن گئی ہوگی ۔ اس ہاسٹل میں کیوں رہنے لگی ۔ میں بس اسٹاپ پر کھڑا ہوا تھا ۔ کئی بسیں آئیں اور لوگ ان کی طرف بھاگے ۔ مگر میں آگے نہیں بڑھا ۔ مجھے کہاں جانا تھا ؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں بجلی سی چمکی ، نہیں ، تارہ سا ٹوٹا ، نہیں شاید کہیں دور سڑک کے اس پار ونیتا چمک رہی تھی ۔ بالکل اسی جیسی شکل وصورت ۔ مگر ساڑی پہنے بڑی سنجیدہ سی بنی ۔ شام کے دھندلکے میں ریڈیم کے موتی کی طرح چمکنے والی ونیتا ہی ہو سکتی ہے ۔ وہ میری طرف پیٹھ کئے اپنے کسی اسٹوڈنٹ سے باتیں کر رہی تھی ۔ لیکن میں راستے سے گزرنے والی کاروں

اور بسوں کی پروا کیے بغیر اس کی طرف یوں بھاگا جیسے ایک منٹ بھی دیر کی تو وہ خواب کی طرح فضا میں تحلیل ہوجائے گی۔

"ہیلو ونیتا ..."

"ہائے یوسف کیسے ہو .... ؟ کب آئے دلی سے .... ؟" ونیتا نے حسب عادت آنکھیں پھیلا کر، ہونٹ کھول کر، مسکرا کے کہا۔ وہ ہمیشہ چہرے پر شدید تاثر پھیلا کے بات کرتی تھی۔ مگر ایسا خشک اور بغیر قہقہے کا استقبال دیکھ کر میں کچھ رک سا گیا۔

"ایک میٹنگ کے سلسلے میں آج ہی صبح آیا تھا۔ سارا دن اسی میں مصروف رہا۔ اب میری شامت ہے۔ میں ابھی تک سریندر سے ملا ہوں نہ پرکاش سے۔ اب انھیں تم سے معلوم ہوگا تو دونوں خفا ہوجائیں گے۔"

"ہاں وہ تو ہوگا ..." آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو میں نے دیکھا کہ ونیتا کافی بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ جیسے ان تین برسوں میں کم سے کم دس برس اور بڑی ہوگئی ہو۔ شاید اس لیے کہ میں نے پہلی بار اسے ساڑی پہنے، بٹو لگائے دیکھا تھا۔

"پرکاش کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔" ونیتا نے سر ہلا کے کہا۔ وہ کچھ رکی۔ میری طرف دیکھا اور پھر ہنس کر بولی۔

"ہمارا ایک گھر بن گیا ہے اب۔"

"اچھا! مبارک! یہ کب ہوا؟" میں واقعی بے حد خوش ہوا۔ "تو آخر چپکے چپکے ہی شادی کی تم دونوں نے۔ ہمیں خبر تک نہیں کی۔" ونیتا ذرا سا مسکرائی پھر اپنا بڑا سا بیگ کاندھے پر لٹکا کے کہا۔

"یوسف! یہاں بس کے انتظار میں کھڑے کھڑے تو لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں۔ آیئے، کینٹین میں بیٹھ کر چائے پئیں۔"

" ہاں ۔ مگر پرکاش کہاں ہیں ؟ وہ حضرت تمہارے ساتھ نہیں ہیں آج "
میں نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا ۔

" اونہہ ۔ " ونیتا نے حسب عادت منہ بنا کر جواب دیا ۔ ہم دونوں کینٹین میں جا بیٹھے ۔ ونیتا گم صم سی تھی ۔ شادی نے اسے کچھ سنجیدہ مزاج بنا دیا تھا ۔ اب اس کے لبھاؤ میں ایک سنجیدگی اور ٹھہراؤ سا آگیا تھا ۔

وہ بار بار میرے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی ۔

" یوسف ! بہت دنوں کے بعد تمہیں یہاں کینٹین میں دیکھ کر مجھے ایک بہت ایک بہت خوبصورت شام یاد آرہی ہے ۔ وہ کوالٹی کا اندھیرے والا ڈنر جب ہم لوگ خوب ہنسے تھے ۔ "

" ہاں ہاں ۔ مجھے یاد ہے ۔ " میں ہنسنے لگا وہ چمکیلی رات تو مجھے ایک خوبصورت پینٹنگ کی طرح یاد تھی ۔ مجھے اس وقت بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ہم سب آج بھی اس شام کی پینٹنگ میں بیٹھے ایک فریم کے اندر جڑے ہوئے ہوں اور کسی مصور کے ہلکے ہلکے برش سے میرے اور پرکاش اور ونیتا کے نقوش ابھر رہے ہوں ۔

ونیتا بھی جیسے اس شام کی ساری تفصیل اپنے ذہن میں جگا رہی تھی ۔ اس نے آہستہ سے پیالی میز پر رکھی ۔

" کتنی اچھی شامیں تھیں وہ ! ہم لوگ کتنا ہنستے تھے ۔ "

" ہنستے تھے ۔ " میں ونیتا کے چہرے پر کچھ ڈھونڈنے لگا ۔ ونیتا نے اب اسے تنہا کیوں چھوڑ دیا ؟ بعض لڑکیاں شادی کو بھی کسی فلم کا رومانی منظر سمجھتی ہیں ۔ پھر جب فلم ختم ہو جائے تو حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ پرکاش عاشق تو بہت اچھا تھا مگر شاید وہ اچھا شوہر نہیں بن سکا جبھی تو آج ونیتا کے چہرے پر ہر لمحہ بدلنے والے رنگ غائب ہو چکے تھے ۔ وہ بات بات پر اس کا چمکیلا رنگیلا قہقہہ کہاں گیا جو اجالے کی ایک لکیر کی طرح دل کے اندھیرے

میں چلا جاتا ہے اور بڑی دیر تک اس میں رنگین ستارے چمک چمک کر جھپتے جاتے ہیں ۔ مہمل سی باتوں پر تعجب کرنا اور اہم باتوں پر لاپروائی کا اظہار ۔۔۔۔ وہ سر جھکائے چائے کی پیالی میں جانے کیا گھولے جارہی تھی ۔

" کیا تمہارے دوچار بار ہلانے سے اس میں مٹھاس نہیں آئیگی ؟ " میں نے اسے چھیڑنے کے لیے پوچھا ۔

" نہیں ۔ " اس نے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ مجھے پیش کیا اور دوسرا اپنے منہ میں دبا کر لائٹر ڈھونڈنے لگی ۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ ونیتا سگرٹ نہیں پیتی تھی ۔ پرکاش کو عورتوں کا سگریٹ پینا اچھا نہیں لگتا تھا ۔

" دوچار بار ہلانے سے کوئی بھی چیز میٹھی نہیں ہوتی یوسف ۔ " اس نے ایک گہرا کش لیکر کہا ۔

" اچھا ، بات کیا ہے ؟ مجھے یوں لگتا ہے اب تم کلاس روم میں سائیکلوجی بڑی سنجیدگی سے پڑھارہی ہو ۔ "

" ہاں ، مگر میں تمہیں سنجیدہ نظر آرہی ہوں کیا ؟ " اس نے حسب عادت بڑے تعجب سے پوچھا ۔ " حالانکہ اب مجھے سنجیدہ ہونا چاہیے ۔ لیکن وہی اڑیل پن ، بچپن کے رنگین خواب اور ان خوابوں کی تعبیر پر اصرار ۔ یہ سب کیا حماقت ہے ۔ " میں نے دیکھا ونیتا کے آس پاس دھوئیں کی ایک رسی سی لپک رہی تھی ۔

" اور پھر تمہارا ساتھ بھی تو ایک بچے ہی سے پڑا ہے ۔ " میں نے ہنس کر کہا ۔

" بچہ ۔۔۔ ؟ " اس نے سگریٹ کا دھواں اگل کر کہا ۔ " پرکاش بچہ نہیں ہے یوسف ! وہ تو بہت بڑا ہے ۔ کئی صدیوں سے جی رہا ہے وہ ۔ "

ونیتا کے لہجے سے میں سمجھ گیا کہ اسے پرکاش سے کیا شکایت ہوسکتی ہے ۔ اس لیے میں نے لاپروائی سے کہا ۔ " شادی کے سال بھر بعد سب

مردوں کا یہی حال ہوجاتا ہے ونیتا۔ ان کی دیوانگی کم ہوجاتی ہے ۔ رومانی خمار اتر جاتا ہے ۔"

"دیوانگی ...... ؟ رومانی خمار ...... ؟" ونیتا بہت زور سے ہنسی ۔ "تم پرکاش کے ساتھ بہت کم رہے ہو یوسف !"

دوسرے دن شام ڈھلے میں نے پرکاش کے گیٹ پر کال بیل بجائی تو میں ایک بے پناہ خوشی سے سرشار تھا۔ ایک ایسی دلی مسرت سے جو اپنے کسی چہیتے دوست کے گھر بن جانے ۔اس کی محبوبہ اس کی شادی ہوجانے ۔ اور پھر ان دونوں کو اکٹھا دیکھ کر ہوتی ہے ۔

آج میں پرکاش کے گھر پر کھڑا تھا۔ گیٹ کے ایک طرف "ڈاکٹر پرکاش راؤ" کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی ۔ سارا گھر چاروں طرف سے درختوں میں گھرا ہوا تھا ۔ فضا میں نجانے کتنے پھولوں کی مہک گھلی ہوئی تھی ۔ بس یہی سورگ ہے ۔ میں نے سوچا ۔ جس کی آرزو میں انسان مذہب اور سماج کے سہارے کتنی منزلیں طے کرتا ہے ۔ کہاں کہاں بھٹکتا ہے ۔ مگر روح کا سکون ۔ جسم کو آرام ۔ کسی ایسے ہی گھر میں ملتا ہے ۔ دروازہ ونیتا نے کھولا۔ میک اپ سے عاری چہرہ اور ایک بدرنگی سی ڈھیلی میکسی پہنے ... حالانکہ نئی شادی شدہ عورتوں کو خبط ہوتا ہے شام کے وقت میک اپ کے تمام رنگوں کو چہرے پر کھلانے کا ۔ جہیز کی تمام ساڑیوں کو بدن پر چمکانے کا ۔

"تمہیں گھر آسانی سے مل گیا ... ؟ اس نے اندر آتے ہوئے کہا ۔" بعض وقت یہ گھر بڑی مشکل سے ملتا ہے ۔ چھوٹی چھوٹی گلیاں اور موڑ بہت ہیں نا ۔ اس لیے ...." صاف ستھرے ۔ بڑی نزاکت اور نفاست سے سجائے ہوئے ڈرائنگ روم میں مجھے لاکر وہ بیچ میں قالین پر کھڑی ہوگئی اور دلی مسرت سے کہا ۔

"یہ پرکاش کا گھر ہے میں نے بڑی محنت سے سجایا ہے ۔ اچھا لگانا ؟"

" واہ ! کیا کہنے ! بھئی تم دونوں کو دلی مبارکباد کہ آخر کار پرکاش کا گھر بن گیا۔ مگر یہ حضرت کہاں چھپے بیٹھے ہیں؟ کیا پنجرے سے باہر نہیں نکلتے؟ "

اچانک ونیتا جیسے کسی پتھر کی ضرب سے اچھل پڑی۔ پیچھے ہٹی اور میری طرف پیٹھ کر کے واز کے پھولوں کو ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔ " ہاں، انھیں بھی گھر میں ہونا چاہیے تھا نا؟ نہیں ہیں۔ " ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب ہم کسی دکھ کی خوشبو آپ ہی سونگھ لیتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ونیتا کے گھر میں مجھے اتنی زور سے نہیں ہنسنا چاہیے اور پھر اچانک جیسے کسی کمزوری کے احساس کو لیے میں بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈنے لگا۔ صوفے پر پلاسٹک کی باسکٹ میں سرخ اون کے گولے پڑے تھے اور ایک ننھی سی آستین ایک سچ مچ کے سوئیٹر میں بدلنے والی تھی۔ ایک سگریٹ کا پیکٹ اور ایک سستا سا رومانی ناول بھی پڑا تھا۔ مجھے وہاں بیٹھنے کے لیے ان چیزوں کی جگہ بگاڑنا پڑی تو ونیتا گھبرا اٹھی۔

" ان چیزوں کو وہیں رہنے دو یوسف ! تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ یہ سامنے والا صوفہ پرکاش کا ہے۔ " وہ ایک کونے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

" پرکاش کا صوفہ میں نے ایسی جگہ رکھا ہے کہ شیشے سے باہر لان کا سارا ویو نظر آتا رہے۔ "

" یہ تم نے اچھا کیا کہ پرکاش کی جگہ مقرر کردی۔ " بے ساختہ قہقہے لگانے کا میرا موڈ ہوگیا۔ مگر ونیتا صرف مسکرا کے رہ گئی۔ پھر وہ اٹھی اور ٹیپ ریکارڈر آن کردیا۔ روی شنکر ستار پر جانے کون سی اداس دھن بجانے لگا اور میں جیسے سہم سا گیا پھر میں نے ونیتا کی طرف دیکھ کر کہا۔

" خوش تو ہونا تم؟ "

" بہت " ونیتا نے جواب میں کہا ۔ " خوش کیوں نہ ہوں گی بھلا ؟ تمہیں ایسا شبہ کیوں ہوا یوسف ؟ " وہ میری طرف گھبرا کے دیکھنے لگی ۔ اس کی آواز میں جانے کیوں مجھے ہلکا سا طنز لگا ۔ صرف میرے ہی لیے نہیں بلکہ اس پوری فضا پر جس کا میں اس وقت ایک حصہ تھا ۔ ونیتا اپنی میکسی کی سلوٹیں صاف کررہی تھی ۔ اب مجھے خیال آیا کہ اس سجے بنے کمرے کے سارے رنگ میکسی نے پھیکے کردیے تھے ۔ بار بار میرے سامنے سے ونیتا کا چہرہ کھوجاتا ، اس کی بدرنگ میکسی پھیل جاتی ۔

" تم عورتیں بڑی دھن کی پکی ہوتی ہیں ۔ میں جانتا تھا کہ اب تم پرکاش کو زندگی بھر چھوڑنے والی نہیں ہو ۔ "

" مگر پرکاش ایسا نہیں سوچتا تھا ۔ " اس نے چھوٹی سی اون کی آستین کو ادھیڑتے ہوئے کہا ۔ پھر اس نے اون کو انگلیوں پر لپیٹنا شروع کردیا ۔

" گھبراگئے میری بات پر ۔۔۔ ؟ " اس نے ہنس کر میری طرف دیکھا " تم ہمارا گھر دیکھ کر بہت خوش ہوئے نا تو بس خوش ہی رہو ۔ کیوں کہ آج کل دنیا میں خوشی بڑی نایاب شے ہے ۔ اس لیے اگر کوئی خوش ہے تو اسے خوش رہنے دینا سب سے بڑی نیکی ہے ۔ وہ ہاتھ سے آستین کا سائز ناپتے ہوئے بولی ۔

" لیکن تم لوگ ابھی ہنی مون پیریڈ میں ہو ۔ ابھی سے خوشی اور غم کے مسائل پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ " میں نے غور سے ونیتا کو دیکھا اور سگریٹ نکال کر سلگانے لگا ۔ مجھے ایسا لگا جیسے ونیتا آج ہر بات کہنے سے پہلے اسے تول رہی تھی ۔ بعض باتیں تو وہ صرف تولتی رہ جاتی ، بول نہیں پاتی تھی ۔

" پرکاش کہاں ہے ۔۔۔ ؟ " اب میں نے اکتا کر پوچھا ۔

" وہ ہے ۔۔۔ " میں نے جلدی سے گردن پھیر کے دیکھا ۔ دیوار پر

پرکاش کا ایک بڑا سا پورٹریٹ لگا تھا ۔ چہرے پر بال بکھرائے ۔ ایک ابرو اٹھائے ۔ وہ اپنے مخصوص اسٹائل سے مسکرا رہا تھا ۔ ونیتا قہقہہ مار کے ہنس پڑی ۔

"ڈرگئے .....؟ پرکاش کو اس کمرے میں دیکھ کر ڈرگئے کیا ... ؟" ونیتا کے قہقہے پر میں سچ مچ سہم گیا ۔ اس بوجھل سی ۔ گھٹی گھٹی رات میں مجھے ونیتا کی یہ آواز اجنبی سی لگی جس کا نام ہنسی تھا ۔

اب میں ایک ایسی فضا میں پہنچ گیا تھا جہاں بہت سی باتیں اجنبی لگتی ہیں یا کچھ بھی اجنبی نہیں لگتا ۔ آپ ہی سوچیے کہ جب گھر کا ایک اہم فرد اچانک غائب ہوکر کسی دیوار کے فریم میں کیل سے جڑا ہوا نظر آئے تو ایسی مصلوب فضا میں دم کیسے نہیں گھٹے گا ! روی شنکر جس دھن کی درت پر پہنچ گیا تھا ۔ اس میں شکوے ہی شکوے تھے ۔ شکایتیں اور تنہائی کا دکھ ۔ بس ایسا ہی کوئی روگ تھا جس کی مجھے پہچان نہیں ہورہی تھی ۔

"نہیں ۔ یہ امید فضول ہے کہ آج پرکاش دیر سے آئے گا ۔ وہ کسی دوست کے ہاں گیا ہے ۔ ابھی لوٹ آئے گا ۔" یہ کمرہ اس کا منتظر نہیں تھا ۔ اس لیے ونیتا نے پرکاش کے وجود کو ایک کیل سے دیوار پر جڑ دیا تھا ۔ اور مجھ سے کہہ رہی تھی ۔

"انتظار کرونا اپنے دوست کا ۔ آتے ہوں گے ۔"

"مگر میں تنہا کب تک اس کا انتظار کروں ؟" میرے دل کی بات جیسے ونیتا نے سن لی اور وہ اچانک جیسے بیقرار ہوکر اٹھی ۔ اون اور باسکٹ زمین پر گر گئی ۔ وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی میکسی سمیٹ کر کھڑکی کی طرف گئی اور دور تک سڑک پر پرکاش کو ڈھونڈنے لگی ۔

"تم یہاں تنہا بیٹھے ہوئے مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہو یوسف ۔ میں نے تمہیں ہمیشہ سریندر اور پرکاش کے ساتھ ہی دیکھا ہے نا ۔ اگر مجھے معلوم

ہوتا کہ تم آج ہی شام کو آرہے ہو تو میں تمہارے لیے ان دونوں کو کہیں سے ڈھونڈلاتی ۔ تم نے آنے سے پہلے مجھے رنگ کیوں نہیں کیا ؟ اب تک تم تنیوں مل کر ایک ہزار قہقہے لگالیتے نا ۔ "

" میرے لیے ... ؟ میرے قہقہوں کے لیے ... ؟ " میں صرف یہی بات سوچتا رہا ۔ ونیتا کو کیا جواب دیتا ! پھر ایک ادھیڑ عمر کی آیا اندر آئی ۔ ونیتا نے مجھ سے پوچھا ۔

" اکیلے بیئر پیتے ہوئے بور تو نہیں ہوگے ؟ " اس نے میرا سگریٹ کیس اٹھایا اور میرے پاس بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگی ۔ میں نے جھنجلا کر کہا ۔

" اونہہ کیا اکیلے ، اکیلے کی رٹ لگائی ہے تم نے ؟ میں نے جھنجلا کر کہا " سچی بات تو یہ ہے ونیتا ۔ کہ میں تمہیں اکیلا دیکھ کر سخت بور ہورہا ہوں تمہیں ایک بات سناؤں ۔ " میں نے اس وقت کی بوجھل فضا کو بدلنے کے لیے کہا ۔ " جب سب سے پہلے سریندر نے تم دونوں کا تعارف کرواتے وقت کہا تھا کہ یہ پرکاش ہے اور یہ ونیتا تو میں نے سوچا تھا کہ سریندر کو بیچ میں " اور " لگانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ تم دونوں بہت قریب تھے ۔ " میری بات سن کر ونیتا خوشی سے کھل اٹھی اس نے جلدی سے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا ۔

" سچ ؟ تم نے ایسا سوچا تھا ! تو یہ بات پرکاش کو بھی بتائی تھی ؟ " اتنے میں آیا بیئر کے دو مگ ایک ٹرے میں رکھ کر لے آئی ۔ ٹرے اس نے تپائی پر رکھی تو میں نے ونیتا سے کہا " تم بھی ساتھ دے رہی ہو کیا ... ؟ "

" میں .... ؟ " اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا

" آئی ایم ویری سوری ... میں نہیں پیتی ۔ یہ دوسرا گلاس تو پرکاش کے لیے بنوادیا ہے ۔ شاید آجائے وہ ۔ مجھے بڑی تلاش کے بعد اس کے لیے اچھی شراب لاکر رکھنا پڑتی ہے ۔ " میں نے غور کیا کہ ونیتا جب یہ کہہ رہی تھی تو

آیا بڑے غور سے ونیتا کو دیکھ رہی تھی ۔

" ہاں ، اب پر کاش کو آنا چاہیے ۔ " میں نے گھڑی دیکھی ۔ دس بج رہے ہیں ۔ " کیا روز اتنی ہی دیر سے آتے ہیں ؟ " میں نے بیئر چکھی ۔ اس کا مزا بالکل پھیکا تھا جیسے ونیتا نے اپنی اداسی اس میں گھول دی ہو ۔

" یہ مت پوچھو یوسف " اس نے دونوں ہاتھ مل کر صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر کہا ۔ " میں پر کاش کا کتنا انتظار کرتی ہوں ۔ دس دس بار سالن گرم کرو ۔ چائے تیار کرو ۔ پکچر کا پروگرام بنالو ، کچھ کرلو مگر وہ نہیں آتے ۔ میری بجائے کوئی اور عورت ہوتی نا تو پاگل ہو جاتی اب تک ۔ " اس بار وہ اپنے بہنے والے آنسو نہیں روک سکی ۔ ونیتا کے آنسوؤں سے میں ڈر گیا ۔ اور پھر اس کا موڈ بدلنے کے لیے کہا ۔

" تو آخر بنادیا نا پر کاش نے تمہیں اپنی دھرم پتنی ... ؟ "

" اوہ پلیز ایسی بات مت کہو یوسف ! " اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑے دکھ سے کہا ۔ اب مجھے چپ ہوجانا چاہیے تھا ۔ لیکن مجھ میں ایک ایسی حرارت آگئی تھی جو صرف پینے کے بعد ہی آتی ہے ۔ میں نے بیئر کا گلاس میز پر رکھ کر آہستہ سے پوچھا ۔

" پر کاش کی کیا مصروفیت ہے .... ؟ " ونیتا سگریٹ کیس میں سے ایک اور سگریٹ نکال کر اسے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے جلتے سگریٹ سے سلگانے لگی ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میری بات کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی ۔

" تو اس کا مطلب یہ ہوا ونیتا کہ تمہیں پر کاش کو باندھنے کا گر نہیں آیا حالانکہ یہ گر شادی کے بعد ہر لڑکی کو خود بخود آجاتا ہے ۔ "

" شادی کے بعد ... ؟ " ونیتا نے تعجب سے پوچھا اور پھر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ۔

" ہوسکتا ہے ۔ کیونکہ اسے پیچھے پیچھے دم ہلاتے ہوئے چلنا آتا ہے۔ یہ میں جانتی ہوں۔ "

" کس کے پیچھے ...؟ " میں نے گلاس اٹھاکر ونیتا کو غور سے دیکھا تو وہ پھر میری بات کا جواب تولنے لگی اور اطمینان سے کہا۔

" میرا خیال ہے اب آیا کو مچھلی تلنے کے لیے کہہ دوں ...؟ تمہارا کیا خیال ہے اب پرکاش کو آجانا چاہیے نا ؟ "

" یقیناً ... گیارہ بج رہے ہیں نا ... " میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ونیتا کچن میں گئی اور سوتی ہوئی آیا کو اٹھاکر مچھلی تلنے کے لیے کہا۔ میں نے دیکھا وہ پریشان سی تھی۔ گھر میں ایک مہمان آیا تھا شاید اس لیے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ آج پرکاش جلدی سے آجائے۔ واپس آکر اون کی بنی ہوئی ننھی سی آستین اس نے گھٹنے پر رکھی اور بڑے پیار سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ شاید اس سوئٹر کو پہننے والا اب جلد ہی اس گھر میں آنے والا تھا۔ یہ بات پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مچھلی کی بھوک لگانے والی خوشبو سے ڈرائنگ روم بھر گیا۔ ونیتا کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھ کر بولی۔

" ہر چیز ٹھنڈی ہوجاتی ہے ان کے انتظار میں۔ بس انتظار کیے جاؤ ان کا۔ " میں نے غور سے دیکھا۔ ونیتا بھی دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ جیسے اگربتی کا آخری سرا جانے کب چپکے سے راکھ بن جاتا ہے۔ ونیتا کے چہرے کی شادابی اس کے قہقہے اور اس کے بدن کی رعنائی ہر چیز یوں مرجھا رہی تھی جیسے کسی پودے کو لوگ پانی دینا بھول گئے ہوں۔

اب مجھے ونیتا کے کمرے میں وحشت ہونے لگی شاید اور تھوڑی دیر یہاں بیٹھا تو میرا دم گھٹ جائے گا۔

" پرسوں تو دہلی واپس جانا ہے۔ کل شام پرکاش کو رسی سے باندھ کے رکھنا۔ میں تمہاری مچھلی کھانے ضرور آوں گا مگر مٹھائی پہلے کھانا ہے۔ " میں

کرسی سے اٹھ رہا تھا کہ لائٹ چلی گئی۔

"یہ الگ مصیبت ہے اس کالونی میں۔ آئے دن لائٹ چلی جاتی ہے، مگر مجھے گھپ اندھیرے میں بھی ونیتا یوں نظر آرہی تھی جیسے ریڈیم کا موتی چمک رہا ہو۔

"موم بتی لے آؤں؟" کہیں سے آیا کی آواز آئی۔

"نہیں ضرورت نہیں ہے۔" ونیتا نے کہا۔

"یوسف! بعض وقت مجھے یوں لگتا ہے جیسے اندھیرا ہی پناہ ہے۔ ہم اپنی بہت سی خوش فہمیوں کو اندھیرے میں چھپا کر جی سکتے ہیں۔ اجالا تو خواب بھی چھین لیتا ہے ہم سے"

"مگر اندھیرا تو دھوکا دیتا ہے ونیتا! خوابوں سے کب تک کوئی بہل سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ ونیتا نے نیا سگریٹ سلگایا ایک لمحے کو لائٹر کا شعلہ اس کے چہرے پر بھڑکا اور پھر بجھ گیا۔

"تو پھر زندگی میں اور کیا ہے؟ حقیقت کوئی معنی رکھتی ہے کیا؟ ہر دانشور حقیقت کی تلاش کرتے کرتے مر گیا۔ وہی فائدے میں رہے جنھوں نے اپنے آپ کو بہلانے کے لیے کھلونے سامنے رکھ لیے۔ جیسے ایک چھوٹی سی بچی کاغذ کی کترنوں سے ایک چھوٹا سا گھر بناتی ہے اور گڑیا کی بجائے خود اس میں بیٹھ جاتی ہے۔ پل بھر میں اس کے بچوں سے گھر بھر جاتا ہے۔ بچے ہی بچے ..... سارے گھر میں، ساری کالونی میں، ساری دنیا میں۔ اور پھر۔" پھر اجالا ہو گیا ..." اچانک مرکری لائٹ نے ونیتا کو چپ کرا دیا۔ وہ بار بار آنکھیں جھپکا کے بڑی مشکل سے اجالے کو قبول کر پائی۔

"اچھا تو اب اجازت دو ونیتا۔" اس نے کچھ نہیں کہا۔ سوئیٹر کی چھوٹی سی ادھوری آستین پر ہاتھوں سے استری کرتی رہی۔

"اب تم بھی سو جاؤ، جانے کس اہم کام میں الجھ گئے ہیں پرکاش۔"

"ہاں ! جانے کس کام میں الجھ گئے ہوں گے۔ گڈ نائٹ یوسف!

میں ورانڈے میں آیا تو چاروں طرف سے اس خوشبو نے پھر گھیر لیا جو اس گھر میں سورگ کی یاد دلاتی تھی۔ گہرے اندھیرے میں اشوک کے اونچے درخت، چاروں طرف سے ونیتا کو گھیرے کھڑے تھے۔

بہت دور جاکر میں نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ اپنے سورگ کی کھڑکی میں ریڈیم کے موتی کی طرح چمک رہی تھی جیسے کارڈ بورڈ کے ننھے سے گھر میں ایک گڑیا بیٹھی ہو۔ پتہ نہیں پرکاش کی کیا مصروفیت ہے اب۔ اسے ابھی تک گھر میں بند رہنے سے وحشت ہوتی ہے۔ تو ونیتا کو ساتھ کیوں نہیں لے جاتا؟ شادی کے بعد اتنی لاپروائی؟

کل میں پرکاش کو اس بات پر خوب ڈانٹونگا۔ میں نے ونیتا کو اپنے ہوٹل کا پتہ دیا تھا اس لیے میں سارا دن منتظر رہا کہ پرکاش ونیتا کے ساتھ ہنستا گاتا میرے پاس آئے گا اور پھر سب مل کر کہیں کھلی فضا میں قہقہے لگانے چلیں گے۔ مگر شام ہوگئی میرے دل پر جانے کیوں اداسی کی بارش سی ہونے لگی۔ شادی کے بعد پرکاش کو شاید یہ پسند نہ ہو کہ میں پہلے والی بے تکلفی کو قائم رکھوں۔ پھر میں کیوں جاؤں اس کے گھر؟ سریندر کو کئی بار فون کیا لیکن وہ اسوقت آیا جب میں ایئرپورٹ کے لیے ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ راستے میں خوب گپ بازی ہوئی اور جب مسافروں کو پلین میں بیٹھ جانے کی ہدایت مل گئی تو میں نے بریف کیس اٹھایا اور اپنے دل کے اوپر سے ایک بھاری پتھر ہٹانے کے لیے کہا۔

"سریندر، اس بار پرکاش سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ پرسوں رات اس کے ہاں گیا تھا مگر ونیتا بتارہی تھی کہ بڑی رات گئے گھر آتا ہے وہ۔"

"رات گئے ....؟" سریندر بڑی زور سے ہنسا۔

"ونیتا بچاری تو پاگل ہوگئی ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم ہوا؟ پرکاش

سے ونیتا کی شادی نہیں ہوئی ! "

" کیا ....؟ " میرے ہاتھ سے بریف کیس چھوٹ گیا۔ " یہ کیا کہہ رہے ہو سریندر ؟ "

" ہاں بھئی ۔ ڈھائی برس ہوگئے ۔ پرکاش تو یورپ میں ہے ۔ سنا ہے کسی آوارہ امریکن لڑکی کا چکر ہے ۔ "

" تو اس نے امریکن لڑکی سے شادی کرلی ؟ "

" اب یہ مجھے نہیں معلوم ۔ " سریندر نے حسب عادت سر کھجاتے ہوئے کہا ۔ " اس نے امریکن لڑکی سے شادی کرلی ہے یا ابھی اسے ساتھ لیے کھلی فضاؤں میں اڑتا پھر رہا ہے ۔ "

•••

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس کی مطبوعات ایک نظر میں

ناول، افسانے، ڈرامے

کتاب	مصنف
گردشِ رنگِ چمن	قرۃ العین حیدر
آگ کا دریا (گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ)	قرۃ العین حیدر
چاندنی بیگم	قرۃ العین حیدر
دامانِ باغباں	قرۃ العین حیدر
کوہِ دماوند	قرۃ العین حیدر
آخری آدمی	انتظار حسین
ٹھکانہ	حیات اللہ انصاری
بازگوئی	سریندر پرکاش
خالد بن ولیدؓ	قاضی عبدالستار
خواب رو	جوگندر پال
میرا شہر ادھورا سا	کشمیری لال ذاکر
آدھے چاند کی رات	کشمیری لال ذاکر
اس صدی کا آخری گرہن	کشمیری لال ذاکر
میری شناخت تم ہو	کشمیری لال ذاکر
آتے جاتے موسموں کا سچ	ہرچرن چاولہ
ناروے کے بہترین افسانے	ہرچرن چاولہ
البم (یادیں افسانے)	ہرچرن چاولہ
گھوڑے کا کرب	ہرچرن چاولہ
فسانہ کہیں جسے	عاشور کاظمی
پہلی نسل کا گناہ	صفیہ صدیقی
دو کشتیوں میں سوار	خالد سہیل
ٹوٹتے بکھرتے لوگ	یوگیش کمار
بے نام قاتل	یوگیش کمار
وہی قتل بھی کرے ہے	مہدی رضوی
دوسرا رخ	اظہار عثمانی
یروشلم یروشلم	قیصر تمکین
سنہری پت جھڑ	نثار راہی
رائفل	نثار راہی
شیشۂ دل	نثار راہی
چٹان ریزہ ریزہ	نثار راہی
کینچلی	غضنفر
آئینہ ایام (قاضی عبدالستار کے بہترین افسانے)	مرتب: غیاث الدین
انقلاب کا ایک دن	زاہدہ زیدی
کیوں کر اس بت سے رکھوں	
جانِ عزیز	زاہدہ زیدی
جیت (بچوں کی کہانیاں)	م۔ع۔غم
انداز	م۔ع۔غم
سوتے جاگتے ضمیر	م۔ع۔غم
پانچ اسٹیج ڈرامے	انیس اعظمی
موج ہوا پیچاں	ساجدہ زیدی
دردِ پنہاں	محمد شفیع ایاز
دیکھیں پاپا!	جمشید مرزا
اے پرندوں کیا تمھیں یاد ہے؟	جمشید مرزا
سنگرور	جمشید مرزا
تعاقب	سیدہ نسیم چشتی
فرقہ واریت اور اردو ہندی افسانے	ڈاکٹر محمد غیاث
سچ کے سوا	جیلانی بانو
بات پھولوں کی	جیلانی بانو
سیاہ کاغذ کی دھجیاں	عبدالصمد
لمحہ لمحہ زندگی	محمود واجد

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (India)
Phones: 3216162, 3214465 Fax: 91-011-3211540
E-mail: eph@onebox.com

ISBN 81-87667-16-8